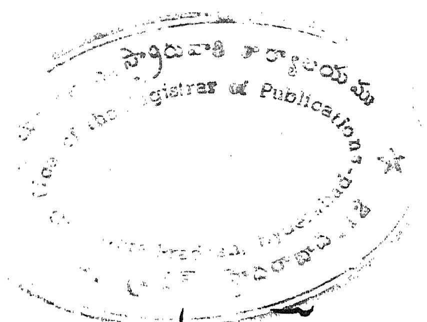
آئیں بائیں شائیں

مزاحیہ کلام



شاہد عدیلی

کتاب : آئیں بائیں شائیں

مصنف : شاہد عدیلی

سن اشاعت : ۲۰۰۰ء

تعداد : ایک ہزار

کمپیوٹر کتابت : محمد ذکی الدین لیاقت فون: 4577739

قیمت : ۵۰/روپے لائبریریز کیلئے ۱۰۰/روپے

زیر اہتمام : محبوب علی خاں اخگر قادری

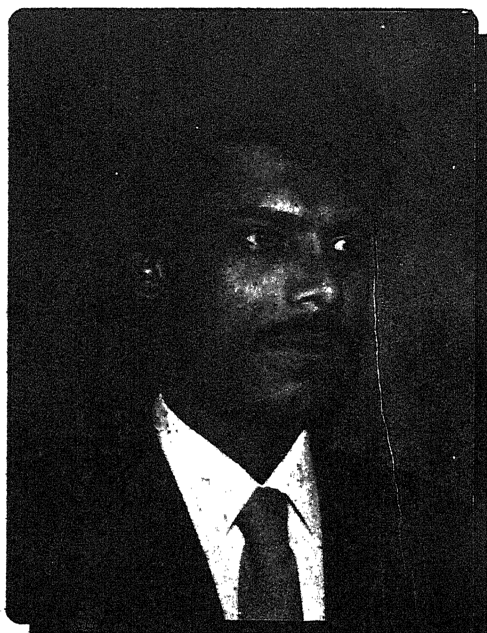
سرورق وطباعت : شکیل کمپوزنگ سنٹر

نزد مسجد معراج، کرما گوڑہ، سعید آباد، حیدرآباد۔۵۹-فون:4501048



......(ملنے کے پتے)......

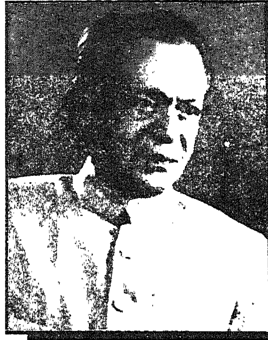
- ❖ مینار بک سنٹر، چار مینار، حیدر آباد۔500002
- ❖ ترویج اردو تحریک۔P.B.666 جوبلی صدر ٹپہ خانہ، حیدر آباد500002
- ❖ اسٹوڈنٹس بک ہاؤس، چار کمان، حیدر آباد۔500002
- ❖ بک سائیس، عابد روڈ، حیدر آباد۔500002
- ❖ دفتر زندہ دلان حیدر آباد، بیچلرس کوارٹرس، حیدر آباد۔500001
- ❖ مصنف" بیت النظیر" 190-2-23 مغل پورہ، حیدر آباد۔500002



شاہد عدیلی



دادا اُستاد حضرت صفؔی اورنگ آبادی



والد وَ اُستاد حضرت سید نظیر علی عدیؔل



بڑے بھائی جناب فاروق شکیؔل

انتساب

اپنے والدین اور بڑے بھائی کے نام

٭ والد و استاد محترم سید نظیر علی عدیلؔ مرحوم
جن کی تعلیم و تربیت نے مجھے شعر کہنا سکھایا

٭ والدہ محترمہ شاداںؔ عدیل
جن کی دعائیں ہمیشہ میرے ساتھ رہیں

٭ بڑے بھائی محترم فاروق شکیلؔ
جن کی حوصلہ افزائیوں نے مجھے ہر گام پر تقویت بخشی

شاہدؔ عدیلی



فہرس



پیش گفتار

شاعری آپ کو ورثے میں ملی ہے شاؔہد
اپنے اشعار میں اجداد کے تیور رکھنا

میں نے ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں جس میں چاروں طرف شعر و ادب کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی جو رفتہ رفتہ میرے وجود میں بس گئی اور میں محسوس کرنے لگا کہ یہ خوشبو میری رگِ ظرافت کو پھڑکانے لگی ہے اور یقین ہوتا چلا گیا کہ یہ خوشبو جو پھوٹ کر باہر نکلنے کیلیئے بے چین نظر آتی ہے اک دن ضرور کوئی رنگ لائے گی۔ میں دیکھتا تھا کہ میرے والدِ محترم حضرت سید نظیر علی عدیؔل مرحوم سے اکتسابِ فن کے لیے تلامذہ کا اک سلسلہ اُنھیں ہمیشہ گھیرے رہتا ہے۔ میرے والد محترم اپنے ہر شاگرد سے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور نہ صرف اُن کے کلام پر اصلاح دیتے بلکہ جنھیں فنِ عروض سے دلچسپی ہوتی تھی انھیں عروض کا درس بھی دیتے تھے، فنی باریکیاں سمجھاتے تھے اور دل کھول کر حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ میں اکثر و بیشتر اپنے والدِ محترم اور بڑے بھائی فاروق شکیؔل کو سننے مشاعروں میں بھی جاتا تھا۔ جہاں میرے اندر کے فنکار کو باہر نکلنے کے لیے تقویت ملتی تھی ادھر گھر پر والدِ محترم کے تلامذہ کا سلسلہ اور درس نے میری سماعت میں فاعلاتن اور بحور کے نام گھولنا شروع کر دیئے اس طرح میں نے اپنے

والد کے آگے زانوئے ادب تہہ کرنے سے قبل چلتے پھرتے کچھ کچھ فن عروض کو اپنے اندر جذب کرلیا اور پھر ایک دن میں نے اپنے بڑے بھائی فاروق شکیل کو اپنی پہلی غزل سنائی تو وہ چونک اُٹھے اور مسرور لہجے میں بولے ''گئے کام سے'' میں نے پوچھا ''کیسے ؟'' کہنے لگے ''تمھیں بھی شاعری کا مرض لگ گیا ہے اور اب فوراً ڈاکٹر صاحب (والدِ محترم) سے رجوع ہو کر علاج کرانا چاہئیے''۔ بھائی صاحب کی حوصلہ افزائی نے مجھے بھی مسرور کردیا اور میں نے قلمی نام کے لیے بھائی صاحب سے مشورہ لیا تو انھوں نے میری عرفیت ''شاہد'' کے ساتھ والد کی نسبت سے ''عدیلی'' لگانے کو کہا اس طرح میرا قلمی نام ''شاہد'' عدیلی ہو گیا۔ بھائی صاحب کی حوصلہ افزائی نے میرے اندر اک اعتماد پیدا کر دیا تھا پھر ایک دن جب میں جھجکتے جھجکتے والدِ محترم کی خدمت میں اپنی پہلی غزل لے کر حاضر ہوا تو والدِ محترم نے غزل پر اک سرسری نگاہ ڈالی اور مسکراتے ہوئے اپنا ایک شعر مجھے سنایا ؎

ابن آدم ہیں فطرتاً دل گیر
اس کو کہتے ہیں خون کی تاثیر

پھر والدِ محترم نے میرے شاعر ہونے کی ابتدائی سند یہ کہہ کر عطا کردی کہ ''تم میں شاعر بننے کی مکمل صلاحیت موجود ہے کیونکہ تم شاعری کی بنیاد یعنی ''وزن'' سے فطری طور پر واقف ہو اب یہ تمھاری محنت اور لگن پر منحصر ہے کہ مشق اور مطالعہ سے اپنی شاعری کو جس قدر چاہو جلا بخشو''۔ والدِ محترم کی اس نصیحت پر میں نے عمل کرنا شروع کر دیا اور مطالعہ کے ساتھ مشق سخن بھی کرنے لگا۔ والدِ محترم نے بھی میری دلچسپی دیکھ کر مجھے عروض کے رموز و نکات سے واقف کرایا اور مجھے اتنا کچھ سکھا دیا کہ ان کے انتقال کے بعد کسی سہارے کی ضرورت باقی نہ

رہی۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ جب میں پہلی بار منظر عام پر آیا تو کل ہند مشاعرہ کے ذریعے میرا تعارف ہوا۔ ۱۹۸۳ء میں بزم 'طنز و مزاح'' کے زیر اہتمام رویندر بھارتی تھیٹر میں کل ہند مزاحیہ مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس میں' میں نے پہلی بار سامعین کے سامنے اپنا مزاحیہ کلام پیش کیا اور قہقہوں کی گونج نے میری بھرپور حوصلہ افزائی کی پھر مشاعروں کا سلسلہ چل نکلا۔ حیدرآباد و بیرون حیدرآباد کے مشاعروں میں شریک ہونے لگا ساتھ ہی ساتھ حیدرآباد کے روزناموں 'سیاست' ، 'منصف'، 'رہنمائے دکن' ، ماہنامہ 'شگوفہ' ، ہفتہ وار 'گونج' (نظام آباد) اور 'اردو نیوز' جدہ (سعودی عرب) میں میرا کلام شائع ہونے لگا۔ آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن سے بھی کلام پیش کرنے لگا اس طرح میری شاعری کا سفر (۱۸) سال سے جاری ہے۔ ان اٹھارہ سالوں میں میری فکر نے جو گل فشانی کی ہے وہ اس مجموعہ کی شکل میں پیش خدمت ہے۔

''گر قبول افتد زہے عز و شرف''

شاہد عدیلی

مغل پورہ ۔ حیدرآباد

آئیں بائیں شائیں ...... ایک تاثر

اُردو ادب میں مزاحیہ یا ظریفانہ شاعری کی ابتدا' ہجویہ کلام یا تضحیک آمیز اشعار سے ہوئی۔ دراصل شعراء کے درمیان آپسی نوک جھونک، خود ستائی، شہرت کے باعث فقرہ بازی اور کبھی کبھی نفسیاتی اعتبار سے احساسِ کمتری کی وجہ سے اس طرح کے خیالات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اکثر اوقات یہ ہجویہ شاعری 'Punch' فحش کلامی جیسی شئے بن جاتی تھی لیکن رفتہ رفتہ اس طرز فکر میں تبدیلی آئی اور شعرائے اردو ظرافت اور پھکڑ بازی (Jear) میں فرق کرنے لگے۔ اب ان شعراء کا مقصد شاعری خصوصاً مزاحیہ شاعری کے ذریعے معاشرے کی اصلاح اور زمانے کے سرد و گرم سے آگاہی ہو گیا۔ تفصیلات میں گئے بغیر پچھلے تین چار دہوں میں' ظریفانہ شاعری نے کئی پہلو کئی جہتیں وضع کی اس میں مشرقی اقدار اور مغربی طرز و تہذیب، نئی روشنی کی ضیاپاشیاں اندھیروں سے خوف ترقی اور اخلاق کی معکوس شرحیں نظام زندگی کا استحصال فریب، دھوکہ انسانیت سوز حرکات رسم و رواج کی شکست و ریخت بہت ساری باتیں شاعرِ طنز و مزاح کو اس جانب مائل کر گئیں کہ موجودہ عہد کی بے چینیوں، محرومیوں، ناآسودگیوں کو آشکارا کیا جائے۔ اس ضمن میں ہمارے درمیان کئی قابل قدر شعراء پیدا ہوئے جس کے زیرِ اثر نئی نسل کے باصلاحیت نوجوانوں نے بھی اُن کی

تقلید کی اور اپنے خیالات کو شعری آہنگ دیا ایسے ہی ابھرتے ہوئے شاعروں میں ہمارے شہر کے ایک نوجوان شاعر، شاؔہد عدیلی بھی ہے۔

شاؔہد عدیلی دبستانِ صفی کے نامور استادِ سخن حضرت سید نظیر علی عدیؔل کے صاحبزادے ہیں جس کی بنا پر شاعری کے ابعاد سے کماحقہٗ واقف ہیں ۔

شعر کہتا ہوں تو حیرت ہے تمہیں کیوں آخر
شعر گوئی تو مرا پیشہ آبائی ہے

لیکن مزاج کے لحاظ سے سنجیدہ طرز کی بجائے مزاح کو اختیار کیا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انسانی زندگی میں رنج والم خوشی و مسرت کی دھوپ چھاؤں آتی رہتی ہے اور پھر ہندستانی معاشرہ ناامیدی، افسردگی کا شعار رہاہے۔ زمانے کی نیرنگیاں شعبۂ حیات کو راست متاثر کرتی ہیں اور ایک مزاحیہ شاعر کے لئے مضحک مواد کو بڑی گنجائش فراہم کرتی ہیں، مزاحیہ شاعری ہو یا نثر نگاری اس میں اسلوب و منہاج کا معاملہ بڑا اہم ہوگا، نثر کے قطع نظر نظم کے طور طریق عوام و خواص کو فورح متوجہ کرلیتے ہیں اس شگفتگی اور شوخی کی خوبی شاعر کو ادبی وقار بخشتی ہے۔

ہمارے دور کے ممتاز شاعروں جیسے ظریف لکھنوی، مجید لاہوری، ضمیر جعفری، راجہ مہر علی خاں، کنہیالال کپور، شاد عارفی، دلاور فگار، رضا نقوی واہی، برق آشیانوی اور ادھر دکنی طرز کی شاعری میں نذی دہقانی، علی صاحب میاں، سلیمان خطیب کے بعد طالب خوندمیری اور رؤف رحیم کے ساتھ شاؔہد عدیلی کا نام جڑ جاتا ہے۔

اس نوجوان نے اردو مزاح میں طنز کے تیر و نشتر کی فراہمی کو نئی صورت گری سے روشناس کروایا۔ اپنے اطراف واکناف کے ماحول پر گہری نظر ڈالتے ہوئے ”چھوٹے چھوٹے مراحل“ کو اپنا نشانہ بنایا۔ اس ضمن میں انھوں نے غزل

کے فارم کو اختیار کیا جبکہ قطعات اور نظموں پر بھی دھیان دیا۔ ان کے پاس مشاہدہ کی گہرائی کے ساتھ ساتھ لب ولہجہ کی زہرناکی موجود ہے۔ بیسویں صدی کے آخر دودہوں میں سماج اور معاشرہ میں جسقدر تیزی سے تبدیلیاں آئیں وہ سب پر آشکارا ہیں۔ شاعر نے بطور خاص ان تمام احوال اور آثار کی عکاسی میں کسی قسم کا پس وپیش نہ کیا۔ چند اشعار سے ہی اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔

ایک ہی شے ہے ترقی پہ کئی برسوں سے ۔۔۔ چشم بددور وہ بڑھتی ہوئی مہنگائی ہے

بم کے دھماکے زلزلے اغواء ڈکیتی خوں ۔۔۔ کچھ ایسے ہی مزاج کے اخبار ہوگئے

استاد فن نے دی ہے غزل چائے کے عوض ۔۔۔ فن بک رہا ہے دیکھیے کیا کوڑیوں کے دام

کوئی نہ چونکا مرے ہنر پر ۔۔۔ گھر کی مرغی دال برابر

چھوٹ جائیگا وہ رشوت دیکے پولس کو میاں ۔۔۔ ہو کے دوکوڑی کی میری مخبری رہ جائیگی

عبارت مختصر! شاہد عدیلی کی شاعری کا محور مسائل حاضرہ ہے۔ خصوصیت کے ساتھ وہ شادی بیاہ، رشوت، شاعری کے ذوق وشوق کی بہتات پر گہرا طنز کرتے ہیں۔

ان کی اس اولین پیشکش پر میں انھیں مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں نے ایک جرأت مندانہ اقدام کیا اور اپنے فکاہی ڈھنگ کو خوبصورتی سے منظر عام پر لایا۔ انہی کے ایک شعر پر اپنی گفتگو ختم کرونگا ۔

کھوٹا ہے مرا سکہ مگر دھات کا تو ہے
اک شاہ نے تو چمڑے کا سکہ چلادیا

ڈاکٹر عقیل ہاشمی

صدر شعبۂ اردو

جامعہ عثمانیہ حیدر آباد

طنز و مزاح کا روشن ستارہ۔ شاہد عدیلی

حیدر آباد فرخندہ بنیاد ہمیشہ سے علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں کے ادبا و شعراء نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اس سے دبستانِ دہلی و دبستانِ لکھنو کی آنکھیں بھی چندھیا گئیں۔ حیدر آباد میں جہاں سنجیدہ قلم کاروں کی بہتات ہے وہاں طنز و مزاح کے ادیب و شعراء نے بھی ادبی دنیا میں شہرت حاصل کی ہے۔ شاہد عدیلی کا نام بھی طنز و مزاح کی دنیا میں روشن ستارے کی طرح نظر آتا ہے۔ شاہد عدیلی استادِ سخن حضرت سید نظیر علی عدیؔل کے فرزند ہیں جنھیں شاعری وراثت میں ملی ہے۔ کہتے ہیں ؎

شاعری آپ کو ورثے میں ملی ہے شاہؔد
اپنے اشعار میں اجداد کے تیور رکھنا

شاہد عدیلی کو بچپن ہی سے ادبی ماحول ملا اور ان کے اندر کا فنکار پرورش پانے لگا جب شعور نے آنکھیں کھولیں تو ان کے اندر کا فنکار باہر آگیا اور انھیں طنز و مزاح کا شاعر بنا دیا۔ شاہد عدیلی نے اپنے والد کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا اور اپنے شعری سفر کا آغاز کر دیا۔ حیدر آباد و بیرون حیدر آباد کے مشاعروں میں کلام سنا کر اہلِ ذوق کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن پر بھی اپنے کلام کا جادو جگایا۔ بہ قول پروفیسر ضیاالرحمٰن ''شاہد عدیلی کی شاعری طنز و مزاح میں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ ان کی شاعری کا قد' ان کی عمر سے زیادہ نظر آتا ہے۔ وہ شعر کہتے ہیں تو ماحول میں ڈوب کر کہتے ہیں اور سماج کی ڈوبتی نبض پر ان کا ہاتھ ہوتا ہے۔''

شاؔہد عدیلی نے صرف اپنے جذبات و محسوسات کی ترجمانی ہی نہیں کی بلکہ اپنی آنکھیں بھی ہمیشہ کھلی رکھیں۔ مطالعہ و مشاہدہ بھی کیا ہے، غور و فکر سے بھی کام لیا ہے۔ پھر ان سب کو شعری لباس پہنایا ہے ۔

فرق ہے یہ پارٹی لیڈر میں اور قصاب میں
کاٹ دیتا ہے یہ انساں کو تو وہ حیوان کو

شہر میں ہر جگہ کچرا پڑا ہے شہر میں
بلدیہ دیوالیہ ہے

شاؔہد عدیلی غزل اور نظم دونوں اصناف پر مضبوط گرفت رکھتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں وقت کے ساتھ حالات کے نشتر بھی ہیں اور حسن و عشق کی نیرنگیاں بھی ہیں۔ سماج کے ناسور کو بھی انھوں نے طنز و مزاح کے پیرائے میں پیش کیا ہے ۔

کرنا ہی کیا ہے دیکھ کے پھر اب دلہن کا رنگ
مطلوبہ ساری چیزیں ملی ہیں جہیز میں

گرفتاری سے بچنے کی یہی آسان صورت ہے
کسی کو لوٹنا ہو تو ملا لو پہلے پولس کو

رشوت جسے کہتے ہیں اس کے بھی ہیں دو پہلو
لوگے تو پھنسا دے گی دوگے تو چھڑا دے گی

شاؔہد عدیلی اپنے والد کی طرح سادگی پسند ہیں۔ ان کے کلام میں سلاست زبان اور سادگیٔ بیان موجود ہے۔ ہر خیال کو بڑے سلیس انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کی نظموں میں بھی عصری آہنگ موجود ہے وہ جس خیال کو نظم کرتے ہیں پہلے اس کا بھرپور جائزہ لیتے ہیں پھر طنز و مزاح کے پیکر میں ڈھالتے ہیں۔ ان کے کلام میں کہیں ابتذال نظر نہیں آتا شاؔہد عدیلی کا شمار ان چند شعراء میں ہوتا ہے جو فن عروض سے بھی واقفیت رکھتے ہیں اور زبان و بیان کا خاص خیال رکھتے ہیں کہتے ہیں ۔

ہمیں بھی کھجلی ہوئی فن میں سر کھپانے کی
مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

شاؔہد عدیلی کے کلام کو پڑھ کر یقین کیا جاسکتا ہے کہ ان کا مستقبل تابناک ہے اور یہ اپنے جلائے ہوئے چراغ کو روشن رکھیں گے۔

م۔ ق۔ سلیم

ایم اے بی ایڈ

غزلیں

کچھ بھی سہی صفؔی نے ہوس تو نکال لی
اس آئیں بائیں شائیں سے دیوان ہوگیا

صفؔی اورنگ آبادی





اُس کے لہجے میں کہاں سے یہ مٹھاس آئی ہے
کہیں ایسا تو نہیں ذات کا حلوائی ہے

رہ گئے ہو کے وہ ناکارہ خبر آئی ہے
جب سے بازاری حکیموں کی دوا کھائی ہے

کم سخن سمجھو نہ تم دوسری بیوی کو ابھی
بجتے بجتے یہ بجے گی نئی شہنائی ہے

اس تن و توش پہ اس کے یہ زنانی آواز
ڈھول کا ڈھول ہے شہنائی کی شہنائی ہے

ایک ہی شئے ہے ترقی پہ کئی برسوں سے
چشم بدور وہ بڑھتی ہوئی مہنگائی ہے

لطف تو یہ ہے کہ مذہب کی دکاں کا مالک
نہ مسلماں ہے نہ ہندو ہے نہ عیسائی ہے

کیوں چھڑانے مجھے پولس سے سفارش نہ کرے
میں زباں کھولوں تو لیڈر کی بھی رُسوائی ہے

شعر کہتا ہوں تو حیرت ہے تمھیں کیوں آخر
شعر گوئی تو مرا پیشۂ آبائی ہے

ٹل گئی ناف نزاکت کے سبب سے شاہدؔ
جب بھی نزلے سے انھیں زور کی چھینک آئی ہے





کچھ اتنے گرم دُلہوں کے بازار ہوگئے
مایوس ، دام سن کے خریدار ہوگئے

کیسے ہمارے دور کے اطوار ہوگئے
کردار کش ہی صاحبِ کردار ہوگئے

بس سال بھر میں پھُول کے آئے خلیج سے
پاجامے تھے جو چست وہ شلوار ہوگئے

اسٹار ٹی وی جب سے گھروں میں لیا گیا
پودے جو چھوٹے تھے اشجار ہوگئے

بم کے دھماکے ، زلزلے ، اغواء ، ڈکیتی ، خوں
کچھ ایسے ہی مزاج کے اخبار ہوگئے

والد کی زندگی میں وہ رہتے تھے دُور دُور
مرتے ہی جائیداد کے حق دار ہوگئے

آواز سے جو توپ کی غش کھا کے گر پڑیں
کیسا ستم ہے فوج کے سالار ہوگئے

آئندہ خود کلام سنائیں نہ بزم میں
شاہد کو یاد آپ کے اشعار ہوگئے





یہ دور آج کا ہے سیاست ہے اس کا نام
بغلوں میں تو چھری ہے مگر منہہ میں رام رام

نازک مزاج لوگ جو کھاتے ہی ایک جام
کرتے ہیں چھینک چھینک کے وہ شکوۂ زکام

ہو جائے کیوں تمام نہ خاوند ہی کا کام
فرمائشیں نہ بیوی کی ہوں گی کبھی تمام

اُستادِ فن نے دی ہے غزل چائے کے عوض
فن بک رہا ہے دیکھئے کیا کوڑیوں کے دام

ساقی کے رُخ پہ رہنے لگی شیخ کی نظر
لگتا ہے مینڈکی کو بھی ہونے لگا زکام

دیکھا ہے میں نے اُن کو چنے بیچتے ہوئے
کرتے تھے جن کا لوگ کبھی جھک کے احترام

ابجد بھی انتظام کی جو جانتے نہیں
دیکھو ہے آج ہاتھ میں اُن کے ہی انتظام

ایک مالدار بیوہ سے کرلے اگر نکاح
ہو جائیں گے کچھ اور ہی شاہد کے صبح و شام





مئے کوثر ہے جنت میں فقط دُنیا میں کیا کیا تھا
مدک تھی، بھنگ تھی، افیون تھی، بمبو تھا، گانجا تھا

ڈنر میں سیٹھ کے ہمراہ چمچہ ایک ایسا تھا
ڈنر کے بعد اُس چمچے کے جیبوں میں بھی چمچا تھا

ترس کھاکر میں جس شاعر کو اِس محفل میں لایا تھا
سنائے اُس نے اتنے شعر جیسے اس کو ہیضا تھا

'طرح' جو دی گئی تھی 'قافیہ' ہی اُس کا ایسا تھا
کہ کم گو شاعروں کے ہاں بھی کم سے کم دو غزلا تھا

ہوا پولس میں وہ بھرتی مناؤ خیر اب اپنی
وہ جو پاکٹ پلیری میں جواب اپنا نہ رکھتا تھا

غرض ہے حال و ماضی سے نہ مستقبل سے کوّے کو
رہے گا کل بھی کالا آج بھی ہے کل بھی کالا تھا

میں اتنی دیر تک تیرا کہ تم کرتے ہو گلپوشی
مگر یہ تو بتاؤ کس نے دریا میں ڈھکیلا تھا

گیا تھا ملنے اک یم پی سے لیکن دال کیا گلتی
کہ دُم چھلوں میں اُس کے اک سے بڑھ کر اک لفنگا تھا

گئیں مایوس ہوکر ہونے والی ساس اے شاہدؔ
نہ سمجھیں میری پیشانی پہ وہ سجدوں کا گٹھا تھا





لباسِ پیر پر ہیں سب عقیدت مند حیراں سے
ہیں جتنے جیب بھی اس میں وہ لمبے ہیں گریباں سے

حیات جاوداں پائی نہیں جب آبِ حیواں سے
ہوا کیا فائدہ مِل کر سکندر کو خضر خاں سے

اُنھیں اشعار پر کچھ داد دی ہے یار لوگوں نے
چُرائے تھے بدل کر لفظ جو غالبؔ کے دیواں سے

تعجب ہے کہ بیٹی اُس کی ہے سوکھی ہوئی مچھلی
نظر آتے ہیں جس کے والدِ ماجد پہلواں سے

کیئے ہیں کام ایسے بھی جو شیطاں کر نہیں سکتا
بھلا انسان نچلا بیٹھتا کس طرح شیطاں سے

ہیں سالم پاؤں والوں سے تو لنگڑے ہی بہت اچھے
کبھی لوگوں نے اُن کو بھاگتے دیکھا نہ میداں سے

جہازوں سے تو اچھی ہے ہماری ناؤ کاغذ کی
نہ کچھ خدشہ مگرمچھ سے نہ کچھ اندیشہ طوفاں سے

نہ سوچا تھا کہ موٹے ہوں گے وہ اور اس قدر ہوں گے
اُترنا ہوگیا دشوار اب آنگن میں دالاں سے

ہماری دوستی اعلیٰ پٹھانوں سے ہے اے شاہدؔ
صمد خاں سے ظفر خاں سے میاں خاں سے زماں خاں سے





بزنس میں ہم خُسر سے جب آگے نکل گئے
باہر سے خوش ہوئے مگر اندر سے جل گئے

میری غزل پہ لوگ کچھ ایسے مچل گئے
ایک ایک کرکے ہال سے باہر نکل گئے

بدلیں حکومتیں تو مِلا کیا عوام کو
اِتنا ہوا ضرور کہ چمچے بدل گئے

کل رات گھر کو لوٹنے میں دیر کیا ہوئی
آتش فشاں پہاڑ سے لاوے اُبل گئے

دیکھیں گے سر کے بل بھی کسی روز جا کے ہم
اب تک تو اُن کے کوچے میں ٹانگوں کے بل گئے

لکنت تھی اک ذراسی ہماری زبان میں
لیکن ہمارے لڑکے تو ہکلے نکل گئے

رہنے لگے ہیں توپ کے سانچے میں جب سے ہم
سب کو گماں ہے توپ کے سانچے میں ڈھل گئے

ساقی کا جشنِ سالگرہ میکدے میں تھا
جب میں گیا تو حضرتِ واعظ اُچھل گئے

دشمن خود اپنے داؤ پہ گھٹنوں کے بل گرا
ہم پینترا ذرا سا جو شاہدؔ بدل گئے





ذکر اسلاف سے شرمندہ خدارا نہ کریں
اتنی زحمت سے گڑے مُردے اکھاڑا نہ کریں

شعری ادراک بھی شاگرد کو بخشیں اُستاد
فاعلاتن فعلاتن ہی رٹایا نہ کریں

شعر کو وزن میں پڑھنا تو کم از کم سیکھیں
اپنے اُستاد کے دیواں کا کباڑا نہ کریں

راہ گیر آپ کے پیچھے نہ کہیں پڑجائیں
راہ چلتی کسی خاتون کا پیچھا نہ کریں

آج کل پیٹ دیانت سے نہیں بھر سکتا
آپ کہتے ہیں کہ ایسا کوئی دھندا نہ کریں

غیر ملکوں میں علاج اپنا کرانے والے
چاہے مرجائیں مگر ملک کو رُسوا نہ کریں

سرپرستی میں جو منظور ہو رشوت خوری
کوتوالی کے مددگار سے یارانہ کریں

لوگ حالات کے مارے نہ ہوں گر اے شاؔہد
چارمینار سے نیچے کبھی کودا نہ کریں





بعد شادی کے حقیقت یہ عیاں ہوتی ہے
واقعی بیوی کی گزبھر کی زباں ہوتی ہے

آؤ جوڑے کی رقم لے کے ہی بازار چلیں
اس زمانے میں تو دُلہوں کی دُکاں ہوتی ہے

تم زبانوں کی کتابوں میں نہ ڈھونڈو اس کو
کوتوالی میں ہی ڈنڈوں کی زباں ہوتی ہے

لوٹ لیتے ہیں لُٹانے کی بھی چیزیں قاضی
اُن کے پیشے میں مرُوّت ہی کہاں ہوتی ہے

کل پھر آنا مگر اب چھوڑ بھی دو رندوں کو
دیکھو اے شیخ وہ مغرب کی اذاں ہوتی ہے

مرد پہلے کبھی بیوی کا میاں ہوتا تھا
آج کے دَور میں بیوی ہی میاں ہوتی ہے

بخشوادے گی وہ چنگیز کو بھی اے شاہدؔ
ماں جسے کہتے ہیں ہر حال میں ماں ہوتی ہے





کوئی نہ چونکا میرے ہنر پر
گھر کی مرغی دال برابر

یوں تو انگوٹھا چھاپ ہے لیڈر
پر ہے پھالی کا بختاور

ہائے رے کالے دھن کا جادو
بول رہا ہے سر پر چڑھ کر

لڑتے رہو کشتی کھمبے سے
ہونا ہے اگر کھمبے کے برابر

نگلے مشکل اُگلے مشکل
سانپوں کی ہے موت چھچھوندر

آپ مرے کل مہماں ہوں گے
آپ کے منہہ میں گھی اور شکّر

صرف کہاوت ہے یہ شاہدؔ
دیتا ہے وہ پھاڑ کے چھپر





کچھ روز سے بیگم کا میکپ ہی کچھ ایسا ہے
میں خود نہ سمجھ پایا راکھی ہے کہ ریکھا ہے

فرمایئے کیا دیں گے جوڑے کی رقم کیا ہے
بیٹا مرا ہیرا ہے اتنا ہے کہ لنگڑا ہے

صابن ہی کھلا ڈالو یا سرف پلا ڈالو
بدلے گا نہ رنگ اپنا پیدائیشی کوّا ہے

یہ میری شرافت ہے کہتا ہوں اُسے ماموں
میں باپ کا بیٹا ہوں ، وہ باپ کا سالا ہے

جو نام پہ پبلک کے سیوا کرے خود اپنی
بخشا ہوا لیڈر ہے شیطان کا چیلا ہے

آواز دباکر مئیں آواز لگاتا ہوں
جو مرغ مرے گھر میں آیا ہے وہ کس کا ہے

کیا شہر کی رکھشا کا جذبہ ہے غریبوں میں
جو شہر کو آتا ہے وہ رکشا چلاتا ہے

جو دانت ہیں مصنوعی اب جھڑنے لگے وہ بھی
اندازہ کرو یارو اب عمر مری کیا ہے

اس دَور کا فیشن ہی ایسا ہے کچھ اے شاہد
پہچاننا مشکل ہے لڑکی ہے کہ لڑکا ہے





ماموں کا بھی منشا ہے خالو کا بھی منشا ہے
داماد بنوں اُن کا گھوڑا ہے نہ جوڑا ہے

جو سب سے بڑا شاعر اپنے کو سمجھتا ہے
وہ شعر کی دُنیا میں بونے سے بھی بونا ہے

اس درجہ بھیانک کیوں اُس شخص کا چہرا ہے
یا جیل سے چُھوٹا ہے یا جیل سے بھاگا ہے

شادی جسے کہتے ہیں دلچسپ تماشا ہے
ہر کوئی ہے خوش ایسا جیسے وہی دُلہا ہے

مٹی کی ہیں دیواریں ، دیواروں پہ چونا ہے
باہر سے اُجالا ہے اندر سے اندھیرا ہے

وزنی ہے جہیز اُس کا لڑکی ہے بڑے گھر کی
سونا ہے نہ چاندی ہے گنگال تیتڑا ہے

لڑتے ہوئے شیطاں کو شیطاں سے نہیں دیکھا
انساں کے مقابل تو شیطاں بہت اچھا ہے





کہنے والے بڑی مچھلی کو مگر کہتے ہیں
اور کچھ لوگ تو ڈُنبے کو شتر کہتے ہیں

وہ غلط کام ہے اربابِ نظر کہتے ہیں
وہ بھی کر جائیں گے ہم آپ اگر کہتے ہیں

رہے عیسیٰ کی سواری میں وہ مکّے تک بھی
خر بہر حال ہے خر سب اُسے خر کہتے ہیں

آپ بنیئے سے گئے گذرے ہیں شاعر ہو کر
وزن بھی سیکھیے کچھ شعر اگر کہتے ہیں

دیکھ کر لڑکی کو مُشاطہ سے لڑکے نے کہا
"آپ سوکھی ہوئی لکڑی کو شجر کہتے ہیں"

بعد شادی کے نہیں قدر کوئی پلکوں کی
جو کنوارے ہیں انھیں تیر و تبر کہتے ہیں

ایک گھر میں ہوں اگر تین سخنور شاہدؔ
لوگ اُسے گھر نہیں افلاس نگر کہتے ہیں





ہر کسی کو شاعری کا ایک جُنوں سا ہو گیا
شاعری کیا ہو گئی ہیضے کا ہیضا ہو گیا

بزم میں شیطان کی اک جشن برپا ہو گیا
خون کا جب بھائی کے اک بھائی پیاسا ہو گیا

اہلیہ کی ہے شباہت شکل میں اُس شخص کی
اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بھی سالا ہو گیا

لات جس نے پیٹ پر ماری تھی اک مجبور کے
دفعتاً اک حادثے میں آج لنگڑا ہو گیا

اک توہّم ہے فقط جو حق سے کوسوں دور ہے
بِلّی آڑے آ گئی تو کام اوندھا ہو گیا

رکھ دیئے ہیں دشمنوں کے کان اُس نے کاٹ کر
دوست اک نادان میرا جب سے دانا ہو گیا

ہاتھ رکھا اُس کی دُکھتی رگ پہ جب میں نے ذرا
رہ گیا جل بھُن کے کوئی لال پیلا ہو گیا

سُننے والوں نے کہا سن کر مرا تازہ کلام
کچھ نیا شاہد سناؤ یہ پرُانا ہو گیا





ہر خرد مند گومگو میں ہے
"کیسے وہ شہہ رگِ گلو میں ہے"

شعر اپنے میں خود ہی کہتا ہوں
شعر گوئی مرے لہو میں ہے

لکھ پتی بن گئے ہیں مولانا
ایسی تاثیر چھو چھا چھو میں ہے

چڑچڑاتی ہیں اس لیئے بیگم
اُن کا میکہ پٹن چرو میں ہے

کیا وہ پولس میں کام کرتے ہیں
ابتذال اُن کی گفتگو میں ہے

۲دو کم ۸۰انسی ہے عمر چچا کی
عقدِ سوم کی آرزو میں ہے

کیوں نہ واقف ہو سب کی رگ رگ سے
"وہ نہاں شہِ رگِ گلو میں ہے"

دَورِ حاضر بھی ہے عجب شاہدؔ
ساس کی شان بھی بہو میں ہے





کبڑے کی طرح جب میں جھکا شہر کے لوگو
تب جا کے مرا کام بنا شہر کے لوگو

چسکا جسے سٹّے کا لگا شہر کے لوگو
بے گھر ہوا بے گھاٹ ہوا شہر کے لوگو

انساں کے لئے کیا ہے خلا شہر کے لوگو
کچھ دن وہ لٹکتا ہی رہا شہر کے لوگو

شادی بھی نہیں کی کوئی نیتا بھی نہیں ہوں
کیوں مجھ کو سمجھتے ہو گدھا شہر کے لوگو

بگڑی ہوئی تصویر کو کہتا ہے مصور
ہے یہ فنِ تجریدی نیا شہر کے لوگو

جنتا کو ہتھیلی میں دکھاتے ہیں جو جنت
کیا ان کی بھی کوئی ہے سزا شہر کے لوگو

جب ہ کے قوافی کو بدلتے ہیں الف سے
کیوں اس میں نہ باندھوں مئیں جگہ شہر کے لوگو

درکار ہے اینا مجھے پکوان کا نسخہ
اروی میں ہو بھینڈی کا مزا شہر کے لوگو

ہے قتل سرعام تو زوروں پہ ڈکیتی
ہے شہر کی کچھ ایسی فضاء شہر کے لوگو

شاؔہد کو خدا نے جو دیا پھاڑ کے چھپر
چھپر کو بنانے میں لگا شہر کے لوگو





منظر اک ایسا بھیانک میں نے دیکھا خواب میں
میری بیوی نے ڈھکیلا ہے مجھے تالاب میں

گوشت کی بریانی ہے تو گوشت آخر کیا ہوا
صرف چاول ہی دکھائی دیتے ہیں مشخاب میں

اپنی لڑکی سے مری شادی پہ وہ راضی نہیں
کہتے ہیں یہ ٹاٹ کا پیوند ہے کمخواب میں

کاٹ دیتا ہے یہ انساں کو تو وہ حیوان کو
فرق ہے یہ پارٹی لیڈر میں اور قصاب میں

اپنا تازہ نسخہ ہم پر آزمایا وید نے
مرتے مرتے بچ گئے ہم ایک ہی جلاب میں

لٹنے والے پاسکیں گے مال واپس کس طرح
جب ہو خود پولس کا حصہ لوٹ کے اسباب میں

لکھ پتی بن جاتے ہم بھی لوٹ کر لاشوں کا مال
شہر کے سب لوگ بہہ جاتے اگر سیلاب میں

لاٹری اُٹھنے سے پہلے خود کو سمجھا لکھ پتی
سچ ہے بلّی کو نظر آتے ہیں چھچھڑے خواب میں

قامتِ انساں اگر شاؔہد یونہی گھٹتی رہی
بیٹھ جائے گا اُچک کر ایک دن محراب میں





ضامنِ عہدہ اگر چمچہ گری رہ جائے گی
قابلیت علم کی سر پیٹتی رہ جائے گی

عیش و عشرت مال و دولت کچھ نہ ہوگا اپنے ساتھ
قبر میں اعمال کی اک پوٹلی رہ جائے گی

چلتے چلتے راہ رو نالے میں گر جائے اگر
نعش اُس کی خیر سے نالے میں ہی رہ جائے گی

ایک دن گھر لوٹنے میں دیر ہو تو اہلیہ
آٹھ دن تک منہہ پھُلا کر کوستی رہ جائے گی

بوجھ لاد اتنا نہ اے دھوبی کہ مر جائے گدھا
زندگی بھر کوستی تجھ کو گدھی رہ جائے گی

چھوٹ جائے گا وہ رشوت دے کے پولس کو میاں
ہو کے دو کوڑی کی میری مخبری رہ جائے گی

شعر کہنا نثر میں شاہدؔ عدیلی چھوڑ دو
کھوکھلی ہو کر تمھاری شاعری رہ جائے گی





آنکھ اگر یوں خواب اُونچے دیکھتی رہ جائے گی
اور بھی کچھ چھوٹی ہو کر جھونپڑی رہ جائے گی

بھول کر جب زندگانی چوکڑی رہ جائے گی
ناچ تگنی کا مسلسل ناچتی رہ جائے گی

مونچھ پر یہ تاؤ دینا اُن کا دفتر تک ہی ہے
گھر میں داخل ہوتے ہی یہ پھر جھکی رہ جائے گی

آپ ٹیلے پر نہ اُس بونے کو چڑھنے دیجئے
ورنہ گھٹ کر آپ کی قدآوری رہ جائے گی

ہوٹلوں میں بیٹھئے چوکنا گرد و پیش سے
غیب ہوجائے گی پیالی ، طشتری رہ جائے گی

اپنے گھر والوں سے چھپ کر تم ملوگے جس گھڑی
یاد مجھ کو ہر گھڑی وہ اک گھڑی رہ جائے گی

سوکنوں کی طرح ہیں دراصل یہ موت و حیات
اِک اگر راضی نہ ہو تو دوسری رہ جائے گی

کیا خبر تھی میری چالوں سے بنیں گے وہ وزیر
اور میرے حصے میں کنڈکٹری رہ جائے گی





اُس کے چہرے پہ یہ جو گھونگھٹ ہے
بات یہ ہے کہ بند اک پٹ ہے

لاڑبازار لے چلو مجھ کو
میری بیوی کو ایک ہی رٹ ہے

کل جو تیلی تھے مِل کے مالک ہیں
ہائے کیا چیز یہ مِلاوٹ ہے

ہوگئی قوم اس قدر تنہا
جس قدر لیڈروں کا جمگھٹ ہے

میں نے اے شیخ کچھ نہیں دیکھا
کیوں تجھے اتنی بوکھلاہٹ ہے

اب میں اُس سے ملوں تو کیسے ملوں
اس کے گھر کے قریب مرگھٹ ہے

ہم تو کیا جاگ اٹھے محلّہ بھی
اُن کے قدموں کی ایسی آہٹ ہے

بات ہے وقت کی شاہدؔ
اب تو بازی بڑوں کی چوپٹ ہے

❀



اپنی بیگم کو غزل اپنی سناکر دیکھو
بھینس کے سامنے بھی بین بجاکر دیکھو

ہضم کرلے تو سمجھ لو کہ سخن فہم ہے وہ
شعری اوراق کسی خر کو کھلاکر دیکھو

صدر دو غزلیں سنائے یہ روایت ہے مگر
چھ سناؤں گا مجھے صدر بناکر دیکھو

اکتفا صرف زیارت پہ کروگے کب تک
ہم عدم میں ہیں تو کیسے کبھی آکر دیکھو

بھید کھل جائے گا دانت اصلی ہیں یا مصنوعی
شیخ صاحب کو ذرا ککڑی کھلاکر دیکھو

منہہ چڑانا ہی نہیں سر بھی کھجانا آیا
پھر تو بندر کی گُلاٹی بھی لگا کر دیکھو

چل ہی جائے گا پتہ بھاؤ کا دال آٹے کے
چشم بدور ذرا گھر تو بسا کر دیکھو

کسی انساں کو ہے انساں سے لڑانا آساں
کبھی شیطان کو شیطاں سے لڑا کر دیکھو

اور بھی ہوں گے کئی آنکھ ملانے والے
کبھی شاہدؔ سے ذرا آنکھ لڑا کر دیکھو





ہر الکشن میں ملک چوپٹ ہے
گھر نیا ہے پرانی چوکھٹ ہے

سود کتنا ہے مجھ کو یاد نہیں
لکھنے پڑھنے کی ایک جھنجھٹ ہے

اک مصیبت ہے دوسری بیوی
صبح کھٹ کھٹ ہے شام کھٹ کھٹ ہے

کیا کروں گا میں امتیاز اُن کا
کبھی چت ہے تو وہ کبھی پٹ ہے

سارے بال اُن کے سر میں نقلی ہیں
پھر بھی عارض پہ زلف کی لٹ ہے

شہر کی ہر گلی میں ہر نل پر
ایسا منظر ہے جیسے پنگھٹ ہے

بیانڈ باجے کے شور سے بڑھ کر
نئے کپڑوں کی سرسراہٹ ہے

لڑکھڑایا تھا بھوک سے شاہدؔ
لوگ سمجھے کہ نشے میں غٹ ہے





وہ ہیں کہ اُن کو آنکھ دکھانے کا شوق ہے
ہم ہیں کہ ہم کو آنکھ لڑانے کا شوق ہے

چوتھی ہو یا ولیمہ کہ چہلم کسی کا ہو
ہم کو تو بن بُلائے ہی جانے کا شوق ہے

برقعہ تو ہے بدن پہ مگر منہہ کھُلا ہوا
برقعے میں اُن کو جلوہ دکھانے کا شوق ہے

اک پاؤں ہے زمیں پہ تو اک پاؤں قبر میں
چاچا کو پھر بھی آنکھ لڑانے کا شوق ہے

گنتی کے چند بال ہی سر پر ہیں شیخ کے
پھر بھی اُسے خضاب لگانے کا شوق ہے

شاہدؔ بدن کی بوُ کو چھپانے کے واسطے
باہر کا سینٹ اُن کو لگانے کا شوق ہے





میک اپ مجھے نانی کا ایسا نظر آتا ہے
بوسیدہ عمارت پہ چونا نظر آتا ہے

کیا اُن کی ہوئی شادی بینائی ہوئی چوپٹ
ڈونگا بھی اُنھیں اب تو چمچا نظر آتا ہے

کچھ نقص ہے مرغی میں یا مرغ ہے آوارہ
کیوں ورنہ ہر اک انڈا گندا نظر آتا ہے

اولاد کی کثرت سے چاچا کو لگے چکلے
چاچا کا وجود اب تو سایہ نظر آتا ہے

پٹتے ہوئے بیوی سے شوہر جو نظر آیا
ہر شادی شدہ مجھ کو ہولا نظر آتا ہے

معشوق سے ملنے کی ہمت نہ رہی شاہدؔ
معشوق کی چوکھٹ پہ کتا نظر آتا ہے





زمانہ آج کچھ ایسا ہے کیا کیا جائے
سوار دہلے پہ نہلا ہے کیا کیا جائے

جو سن رہا تھا تحمل سے میری غزلوں کو
اب اُس کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے کیا کیا جائے

چُرا کے کوئی پڑھے شعر کوئی لکھوا کر
" یہ اپنا اپنا سلیقہ ہے کیا کیا جائے "

جو چال ہنس کی چلنے گیا تھا اک کوا
خود اپنی چال بھی بھولا ہے کیا کیا جائے

ہے زن مرید جو باتوں میں آکے بیوی کی
وہ ماں پہ ہاتھ اُٹھاتا ہے کیا کیا جائے

فساد میں جو مرا اُس کا نوجواں بیٹا
بلک بلک کے وہ روتا ہے کیا کیا جائے

چھٹی کا دودھ دلادوں گا یاد اُسے لیکن
امیرِ شہر کا چیلا ہے کیا کیا جائے

کرین سے بھی اُٹھانا محال ہے اُس کا
وہ بے حیائی کا ملبا ہے کیا کیا جائے

خشوع آئے گا کیسے نماز میں شاہدؔ
تصورات میں ریکھا ہے کیا کیا جائے





کیوں تعجب ہے کہ ہے زوروں پہ رشوت ہر جگہ
خود ہی سوچو اس کی ہے کتنی ضرورت ہر جگہ

گھر عورت ہے تو پھر سمجھو ہے عورت ہر جگہ
دوسرے لفظوں میں گویا ہے مصیبت ہر جگہ

عاشقی میں لیڈری میں اور دسترخوان پر
پڑتی تھی، پڑتی ہے، چمچوں کی ضرورت ہر جگہ

ہاتھ آیا ہے مرے کچھ غیر مطبوعہ کلام
اس لیے ہونے کی شہرت ہی شہرت ہر جگہ

زندگی میں ہے محل تو مقبرہ مرنے کے بعد
کام دولت مند کی آتی ہے دولت ہر جگہ

یہ کرو جی وہ کرو جی یہ نہیں جی وہ نہیں
بیویوں کو ٹانگ اڑانے کی ہے عادت ہر جگہ

ہو عقیقہ یا ولیمہ یا کہ چہلم ہو کہیں
ہم پہنچ جاتے ہیں کھانے مفت دعوت ہر جگہ

غسل بھی دیتے ہیں جلدی دفن بھی کرتے ہیں جلد
مرنے والوں کے لیے ہوتی ہے عجلت ہر جگہ

جھوٹ بھی کیا چیز ہے دُنیا میں شاہدؔ کیا کہوں
مال کھوٹا ہے مگر اس کی ہے قیمت ہر جگہ





ذکر سخن سے حال مرا زار زار ہے
"میری خزاں ہے اور غزل کی بہار ہے"

رُخ پر جو شیخ کے کئی دن سے نکھار ہے
لگتا ہے دام میں کوئی تازہ شکار ہے

چلمن بنانے والا بھی کیا ہوشیار ہے
چلمن بنائی ایسی کہ سب آرپار ہے

لوٹائیں کیوں کسی کو کوئی مستعار شئے
جب زندگی ہی اپنی یہاں مستعار ہے

مجنوں ہے دشت گرد تو فرہاد کوہ کن
مزدور ہے کوئی تو کوئی بیلدار ہے

کہتے ہیں زلزلہ جسے کچھ اور شئے نہیں
مرُدوں کو ہضم کر کے زمیں کی ڈکار ہے

پہلے ہی سے دبی ہوئی پستی میں ہے زمیں
سینے پہ مونگ دلنے الگ کوہسار ہے

مسجد کے چندے ہوتے ہیں منجد پہ خرچ کم
اچھا خدا کے نام پہ یہ کاروبار ہے

شاؔہد میں کر تو سکتا ہوں تین اور شادیاں
مشکل یہ ہے کہ میرا خسر تھانے دار ہے





اچھا سبق پڑھایا مساوات کا مجھے
یکساں دکھائی دیتا ہے گھوڑا گدھا مجھے

تر پٹ تھی اُس کی آنکھ ہی دیکھا نہ تھا مجھے
خود اپنی سیدھی آنکھ سے دھوکہ ہوا مجھے

میں نے غزل سنائی جو چالیس شعر کی
سمجھے یہ سامعین کہ ہیضہ ہوا مجھے

قد کے بغیر ہے جسے زعم قد آوری
اپنے مقابلے میں وہ بونا لگا مجھے

ترشے ہوئے ہیں بال بھی بر جس بھی تنگ ہے
لڑکی دکھائی دی ہے وہ لڑکا نما مجھے

اُڑ کر کہیں سے آگیا چھپر پہ ایک مرغ
چھپر بغیر پھاڑے خدا نے دیا مجھے

مفعول فاعلات میں شاہدؔ ہوں سرگراں
جب سے فنِ عروض کا چسکہ لگا مجھے





سٹے کی جو عادت ہے رنگ اپنا دکھا دے گی
یا سیٹھ بنادے گی یا چکلے لگا دے گی

گھر دیر سے لوٹوں تو بیوی یہ سزا دے گی
جُلاب کی اک گولی سالن میں مِلا دے گی

رشوت جسے کہتے ہیں اس کے بھی ہیں دو پہلو
لو گے تو پھنسا دے گی دو گے تو چھڑا دے گی

لے جائے گی جیل اک دن یہ دادا گری لیکن
جب جیل سے چھوٹو گے لیڈر بھی بنا دے گی

کیا ایک نہیں کافی کیوں چار کی حسرت ہے
یہ چار کے کندھوں پہ اے شیخ چڑھا دے گی

ماں باپ جو بیٹی کو دیں گے نہ جہیز اتنا
مارے گا اُسے شوہر یا ساس جلادے گی

زر اور زمیں سے بھی مخدوش بہت زن ہے
یہ بھائی کو بھائی سے آپس میں لڑا دے گی

بیزار نہ ہو کیوں خود اولاد ہی جینے سے
ماں جب بھی دُعا دے گی جینے کی دُعا دے گی

دیکھا نہ کرو سب کو اک آنکھ سے تم شاہدؔ
ورنہ یہ بُری عادت کانا ہی بنا دے گی





نہ صرف اُن کو اجازت ہے میکے جانے کی
دُعا بھی ساتھ ہے واپس کبھی نہ آنے کی

سُناتے جایئے مہماں کو نثر میں نظمیں
ہے آزمودہ یہ تکنک اُسے بھگانے کی

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن
ہمیں بھی کھجلی ہوئی فن میں سر کھپانے کی

جو سُر کی دُم سے بھی واقف نہیں ہوا ہے ابھی
اُسے بھی آرزو ہے بھیرویں میں گانے کی

سلیم ہے کہ سلیمہ شناخت ہے مشکل
ہیں کچھ عجیب یہ نیرنگیاں زمانے کی

ہے عقل مند کو کافی بس اک اشارہ مگر
ہے بیگمات کو عادت سی ٹانگ اڑانے کی

خوشی ہو کیا مجھے پروانۂ رہائی سے
زمین پاؤں پکڑتی ہے قید خانے کی

کلی کلی کو تبسّم نوازنے والے
کبھی مجھے بھی اجازت ہو مسکرانے کی

چچا کی ہوں کہ وہ ماموں کی بکریاں شاہدؔ
ہمیں تو پڑگئی لت بکریاں چرانے کی





ہے گدھے کے سامنے بیٹھا ہوا
اُونٹ کا قد پھر بھی ہے نکلا ہوا

فائدہ میرِ محلّہ کا ہوا
جب محلے میں کوئی جھگڑا ہوا

شاعروں کا غول ہے گھیرا ہوا
یعنی میں اندھوں میں اک کانا ہوا

ہے ملاوٹ کی غذاؤں کا اثر
دیکھئے جس کو بھی ہے پچکا ہوا

لائے جو تارے فلک سے توڑ کر
آج تک ایسا کوئی پیدا ہوا ؟

سچ تو یہ ہے سچ ہمیشہ سچ رہا
جھوٹ کا مونہہ ہر جگہ کالا ہوا

ایسی ویسی بات کرتا ہی نہیں
" مستند ہے میرا فرمایا ہوا "

سود کھا کھا کر ہوا شاہدؔ یہ حال
حد سے بڑھ کر پیٹ ہے نکلا ہوا





وہ تو بچپن ہی سے تھا نکلا ہوا
آج ایم پی بن گیا تو کیا ہوا

کوئی نہلا تو کوئی دہلا ہوا
میں ہی اک ایسا تھا جو اِکّا ہوا

بھوک اور افلاس میں کرتا بھی کیا
مر گیا فنکار اک اچھا ہوا

وہ فقیروں کو خدا کے نام پر
دے رہے ہیں رات کا اُترا ہوا

یا تو پہنا ہی نہ تھا اُس نے لباس
یا مری آنکھوں کو کچھ دھوکا ہوا

مرغیوں پر آج کی حیرت ہے کیوں
کل سنو گے بھینس کو بیضا ہوا

دشمنوں نے کام کب اچھے کیئے
مر گئے تو مر گئے اچھا ہوا





کالا نہ صرف سیٹھ کے ہے تن بدن کا رنگ
کالا ہے دھن بھی اُن کا تو کالا ہے من کا رنگ

خود ہی کہا ہے یا کہ ہے اُستاد کا کلام
فن میں جھلک رہا ہے کچھ اُن کے ہی فن کا رنگ

جو گوشت ہے پلاؤ میں وہ گائے کا ہے کیا
اتنا تو سُرخ ہو نہیں سکتا چکن کا رنگ

یرقان ہوگیا ہے کہ ہے خون کی کمی
کیوں زرد پڑ گیا ہے تمھارے بدن کا رنگ

مطلوبہ ساری چیزیں ملی ہیں جہیز میں
کرنا ہی کیا ہے دیکھ کے پھر اب دُلہن کا رنگ

انساں کی طرح رنگ بدلتا ہے کس لیئے
نیلا کبھی سفید کبھی ہے گگن کا رنگ

آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اُس کی چمک دمک
جائز نہیں تو کیا ہوا اُجلا ہے دھن کا رنگ

ہوتے ہیں جو گناہ کے پردے میں مرتکب
کفناؤ جب اُنھیں تو ہو کالا کفن کا رنگ

گر شوقِ شاعری ہے تو شاہد برا نہیں
ہو مبتذل نہ شوق میں شعر و سخن کا رنگ





یہ کہہ کے بیوی نے برقع اُتار ڈالا ہے
اب اس سے کاہے کا پردہ یہ رکشا والا ہے

ذرا سا لنگ ہے پاؤں میں رنگ کالا ہے
مگر حسین ہے وہ کیونکہ پیسہ والا ہے

نظر نہ آئیں گے انسان شاعروں کے سوا
مجھے یقین ہے وہ دن بھی آنے والا ہے

یہاں وہاں ہیں مخالف ہزاروں اس کے مگر
جہاں بھی دیکھیئے اُردو کا بول بالا ہے

برائے رشتہ مرے قد کو ناپنے والو
نہ بڑھنے والا ہے قد اب نہ گھٹنے والا ہے

نہیں کچھ اور یہ ارمان مال و دولت کا
ہے ایک سانپ جسے آستیں میں پالا ہے

یہ کہہ رہا ہے ہمالا پہ چڑھ کے اک بونا
بڑا ہوں میں مرے زیرِ قدم ہمالا ہے

کسی کو کچھ نظر آتے ہو تم کسی کو کچھ
تمھارا واقعی انداز ہی نرالا ہے

بڑھاؤ دوستی اُس سے نہ تم کبھی شاہد
وہ صاف دل نہیں پولس سے مِلنے والا ہے





شہر نامہ

بلدیہ دیوالیہ ہے شہر میں
ہر جگہ کچرا پڑا ہے شہر میں

کچھ عجب آب و ہوا ہے شہر میں
راست گو بھی دوغلا ہے شہر میں

گھاس منڈی سبزی منڈی ہی نہیں
منڈیوں کا سلسلہ ہے شہر میں

جائے تو جائے تلنگانہ کہاں
آندھرا ہی آندھرا ہے شہر میں

آٹھ غزلوں کا میں شاعر ہوں میاں
جشن میرا ہورہا ہے شہر میں

چاقوؤں سے قتل ہوتے تھے کبھی
اب بموں کا سلسلہ ہے شہر میں

موت گیدڑ کی یقیناً آگئی
بھاگ کر جو آگیا ہے شہر میں

کیا ہے یہ گرنی کے آٹے کا اثر
جس کو دیکھو پلپلا ہے شہر میں

ضبط کرواکر ضمانت تک کوئی
پھرالکشن لڑرہا ہے شہر میں

تھا جو پگڈنڈی پہ بھی ثابت قدم
آکے اوندھے منہہ گرا ہے شہر میں

لانے والا گاؤں سے اک پوٹلی
سر سے پا تک لُٹ چکا ہے شہر میں



خاص بولی ہے کیا یہ کوئی آپ کی
کیا لگائی ہے رَٹ آپ کی آپ کی

میری بیوی نے دی گڑگڑا کے دُعا
شاعری چھوٹ جائے سڑی آپ کی

حُور کے خواب واعظ نہ دیکھا کریں
دیکھیئے شکل کیا ہوگئی ہے آپ کی

قرض کا بوجھ کچھ اس قدر بڑھ گیا
کھل رہی ہے یہ چمپا کلی آپ کی

ہاں میں ہاں ہر کسی کی ملاتے ہیں آپ
ہے یہ عادت بہت ہی بُری آپ کی

چند بستی کے گھر تو جلیں گے ضرور
چل پڑے گی مگر لیڈری آپ کی

اُن فرشتوں کو شاہدؔ دُعا دیجیے
جو اُٹھائے رہے پوٹلی آپ کی

کھل گئی گھر میں موجودگی آپ کی
یوں نفی کرگئی چھوکری آپ کی

آپ رکھیں گے گر افسروں پر نظر
چھوٹ جائے گی یہ نوکری آپ کی

دونوں کندھوں پہ دو پوترے ہیں سوار
رنگ لائی ہے دادا گری آپ کی

میں نے بیوی کو اکثر یہ کہتے سنا
میری سوتن ہے یہ شاعری آپ کی

ووٹ لوگوں نے ڈالے ہیں کب سوچ کر
کام آئی دھما چوکڑی آپ کی

بات کرتے نہیں سیدھے منہہ سے کبھی
ہے طبیعت ہی کیا چڑچڑی آپ کی

نثر میں نظم کہنے کا ہے یہ صلہ
شاعری ہوگئی کھوکھلی آپ کی

جذب کر کر کے پانی مرے کھیت سے
فارم پر آگئی دھنڑی آپ کی





ہم ترنم میں غزلیں سناتے رہے
لوگ اپنے سروں کو کھجاتے رہے

کار میں اہلیہ کو گھمانے لگے
کل تلک پنکچریں جو بناتے رہے

بڈھے سارے ڈنر میں مٹن کھاگئے
ہم فقط ہڈیاں ہی چباتے رہے

گنگنانے کی اُن کی ہے عادت بُری
غسل خانے میں بھی گنگناتے رہے

غالبؔ و میرؔ کے شعر تھے جو ادق
اُن کو آساں گلاً کر بناتے رہے

فطرتاً ہی ہم ایسے ہنر مند ہیں
اچھے اچھوں کو اُلّو بناتے رہے

وہ ٹیبل فائی پیتے رہے دم پہ دم
اور ہمیں گھنٹہ چُٹہ پلاتے رہے

اک نظر دیکھنا بھی جنھیں ہے عذاب
ناز اُن کے بھی شاہدؔ اُٹھاتے رہے





تمیز جنس نہ ہو اک ہو ذات ایسی بھی
مگر ہے شرط ہوں اس میں صفات ایسی بھی

عروس گود میں نوشاہ کو اُٹھا لائی
ہماری بستی میں آئی برات ایسی بھی

ہم آسماں سے گرے تو کھجور میں اَٹکے
خبر نہ تھی کہ ملے گی نجات ایسی بھی

زمیں ہو پاؤں کے نیچے نہ آسماں سر پر
بنائیں کیوں نہ ہم اک کائنات ایسی بھی

نہ تو جنازہ ہی اُٹھا نہ اُس کی قبر بنی
ہوئی ہے میرے عدو کی وفات ایسی بھی

بغیر سانس لیئے چت پڑے ہوئے ہیں لوگ
گذر رہی ہے زمیں میں حیات ایسی بھی

نہ بھونکتے ہیں نہ تو کاٹتے ہیں اے شاہدؔ
شریف ہوتی ہے کتوں کی ذات ایسی بھی





وہ برقعے میں نہ ہوتے تو مجھے ارماں نہیں ہوتا
پسِ پردہ تباہی کا مری ساماں نہیں ہوتا

بھٹکنے کا مرے ہرگز کوئی امکاں نہیں ہوتا
اگر وہ ایک ہوتا اور اگر جڑواں نہیں ہوتا

مسلسل دال خشکے سے تواضع کر رہا ہوں میں
مگر اس پر بھی ٹس سے مس مرا مہماں نہیں ہوتا

کوئی کہتا ہے قرباں جاؤں تو سمجھو ہے لفّاظی
حقیقت میں کسی پر کوئی بھی قرباں نہیں ہوتا

پٹھانی سوٹ الگ شئے ہے الگ ہے چیز گُل خانی
پٹھانی سوٹ سے ہر آدمی گُل خاں نہیں ہوتا

بنا ہے ایک کپڑے سے مگر ہے کیا کھلے دل کا
کبھی انسان سے بیزار دستر خواں نہیں ہوتا

سڑک کی چھاپ میری شاعری پر گر نہیں ہوتی
کبھی سڑکوں پہ ردّی کی طرح دیواں نہیں ہوتا

نشیمن کے اُجڑنے سے چمن میں بوُم بستے ہیں
'نشیمن کے اُجڑنے سے چمن ویراں نہیں ہوتا'

لڑا دیتا ہے انساں کو تو انسانوں سے اے شاہدؔ
مگر شیطاں سے صف آرا کبھی شیطاں نہیں ہوتا



جس کو پڑھ کر میں کامیاب ہوا
درس وہ خارجِ نصاب ہوا

جھوٹ اب ہے نصاب میں داخل
بند کس دور میں یہ باب ہوا

مرتکب ہیں پرانی لغزش کے
کیا نیا ہم سے ارتکاب ہوا

انگلیاں گھی میں سر کڑھائی میں
آپ سے جو بھی فیض یاب ہوا

سود جتنا ہے مال اُتنا نہیں
جان لیوا ترا حساب ہوا

لاٹری کے ٹکٹ کا ارماں بھی
شیخ چلّی کا جیسے خواب ہوا

ہوئے کسٹم کے لوگ جب تخفیف
مال میں اُن کا انجذاب ہوا

کیوں دکھائیں نہ منہہ خدا کو ہم
ہر گنہ ہم سے بالغیاب ہوا

پہلے ایسا نہ تھا کبھی شاہد
تیری صحبت ہی میں خراب ہوا



حسن جب داخلِ شباب ہوا
اپنے سائے سے بھی حجاب ہوا

پس گیا گھن بھی ساتھ گیہوں کے
جب کسی قوم پر عتاب ہوا

بخت آور عدو ہے پھالی کا
تھا 'ابے' پہلے اب 'جناب' ہوا

تیرا منہہ گھنگنیوں سے بھر دوں گا
ہمنشیں گر میں کامیاب ہوا

وہ ذرا مجھ سے کیا کھلے کہ رقیب
اتنا جل بھن گیا کباب ہوا

جس نے الو بنانا سیکھ لیا
لیڈری میں وہ کامیاب ہوا

خوں لگاکر مِلا شہیدوں میں
نقل کرکے میں کامیاب ہوا

کھلے برقعے میں نکلی جب بیگم
شرم سے شیخ آب آب ہوا





چمچوں نے اُس کو اک بڑا لیڈر بنادیا
جس نے بڑوں کے سُر میں سُر اپنا ملادیا

والد نے اُن کے پیار پہ پہرا لگادیا
دروازے پہ مکان کے کُتّا بٹھادیا

کھوٹا ہے میرا سکہ مگر دھات کا تو ہے
اک شاہ نے تو چمڑے کا سکہ چلادیا

لے دے کے اک تیتڑا بچا تھا جہیز کا
سٹے میں وہ بھی داؤ پہ میں نے لگادیا

دشمن کو بھی نہ شوق دے علمِ عروض کا
مفعول فاعلات میں بھیجہ کھپادیا

ایسا کروں تو کہتے ہیں ویسا کرو میاں
تھالی کا مجھ کو آپ نے بیگن بنادیا

شاہدؔ نے لکھ کے دال کے لفظوں کو ذال سے
منشی گری کے نام کو بٹا لگادیا



جب تشدّد پہ وہ اُتر آئے
دن میں تارے مجھے نظر آئے

سارے شادی شدہ پریشاں ہیں
دیکھ کر ہم نگر نگر آئے

کوئی سیڑھی نہیں تو پھر کیسے
خلد سے ہم زمین پر آئے

لاٹری کا ٹکٹ خریدا ہے
کاش اُمید میری بر آئے

تول دوں گا اُسے میں ہیروں میں
چور اگر مجھ سے پوچھ کر آئے

ہوگئے وہ بہت بڑے شاعر
چارمینار تک اگر آئے

شعر سن سن کے ہوگئے رخصت
جب بھی مہمان میرے گھر آئے

کوئی بھی چھوڑتا نہیں شاہدؔ
مفت کا مال ہاتھ اگر آئے





خط رسانی کو بصد شوق کبوتر رکھنا
ہاں مگر مادہ نہیں لاکے کوئی نرؔ رکھنا

آپ چاہتے ہیں اگر ناک کو منہہ پر رکھنا
وہ جو گُن پیٹ میں ہیں پیٹ کے اندر رکھنا

بولتا ہی نہیں سنتا ہے جو بے چوں و چرا
نام ایسے کسی مظلوم کا شوہر رکھنا

اوڑھ کر نکلے ہیں برقع وہ یہی کافی ہے
کیا ضروری ہے اُسے چہرے کے اوپر رکھنا

دیکھنے لڑکی کو جب آئیں گے لڑکے والے
گھر کے چچوں کو چھپا کر کہیں اندر رکھنا

شاعری آپ کو ورثے میں ملی ہے شاہدؔ
اپنے اشعار میں اجداد کے تیور رکھنا



محفل کا رنگ دیکھ کے ششدر ہیں سب کے سب
ہیں سامعین چار سخنور ہیں سب کے سب

بچپن میں میرے ساتھ جو آوارہ دوست تھے
آوارگی کے فیض سے لیڈر ہیں سب کے سب

بیاٹنگ پہ ماں ہے باپ کی ناقص ہے فیلڈنگ
لڑکوں کا حال یہ ہے کہ بولر ہیں سب کے سب

باہر سے ہیرو لگتے ہیں یہ ڈرگس کے غلام
اندر ذرا جو جھانکئے پنکچر ہیں سب کے سب

نیّا نہ ڈگمگائے گی پھر کیسے دیش کی
نیتا ہمارے مست قلندر ہیں سب کے سب

تعبیر اگر ہے اُلٹی تو کیا ہے بتایئے
دیکھا ہے میں نے خواب کہ بے گھر ہیں سب کے سب

شاہدؔ قدآوری تو فقط شاعروں میں ہے
بونا نہیں ہے کوئی قدآور ہیں سب کے سب





ہے لڑکے کا تصویر ہی میں یہ حال
ہے بتیّسی باہر تو اندر ہیں گال

ہوں دوچار اگر آپ کے ہم خیال
شریفوں کا ہوجائے جینا وبال

ہے بیوی کی روز اک نئی راگنی
ستم اس پہ یہ ہے نہ سُر ہے نہ تال

محلّے کے دادا سے مل لیجئے
نہیں گھر کا خالی کرانا محال

بزرگوں کا غصّہ نئی نسل پر
ہو جیسے کہ باسی کڑی میں اُبال

اُمید آج کے لیڈروں سے ہو کیا
نئے ہیں شکاری پرُانا ہے جال

جو قسمت سے اُس کو حکومت ملی
سمجھتا ہے وہ اُس کو باوا کا مال

پرانوں سے سیکھو نئے مُرشدو
مریدوں کو اُلّو بنانے کی چال

اگر گھر میں آجائے وہ خود بہ خود
پڑوسی کی مرغی ہے شاہد حلال





ٹیلر تلاش کر نہ کلکٹر تلاش کر
مانگے نہ جو جہیز وہ شوہر تلاش کر

اُس کو بیاضِ شعر کے کاغذ کھلاؤں گا
ایسا سخن شناس کوئی خر تلاش کر

مائک پہ آکے اُس کو بہت دیر ہو گئی
انڈا نہیں ہے پھینکتے پتھر تلاش کر

اتنا اکڑ نہ تیر کے کنٹے میں گاؤں کے
"پیراک ہے اگر تو سمندر تلاش کر"

مشکل سے قرض لے کے ادا کر نہ وقت پر
حیلے بہانے تو بھی بہتر۷۲ تلاش کر

چونتیس سے گذر کے ابھی تک ہے مِس کوئی
اُس گلبدن کے واسطے مسٹر تلاش کر

شاہدؔ نکل گئی ہے اگر لاٹری میں کار
پینسٹھ برس کا اب کوئی شوفر تلاش کر





ہیں ایسے لباسوں میں اب حُسن والے
نظر والے رہ جائیں دل کو سنبھالے

نہ محنت ، مشقت نہ فعلن فعولن
کوئی غیر مطبوعہ دیواں چُرالے

اگر آندھرا یونہی گھستا رہے گا
کہاں جائیں گے یہ تلنگانے والے

یہ فرمائشیں بیویوں کی غضب ہیں
لگا ان کے منہہ پر علی گڑھ کے تالے

میں اُس وقت تک بھی نہ مقطع پڑھوں گا
نہ دیں داد جب تک کے سب سننے والے

خود اُس کے ہی منہہ پر وہ آکر گرے گی
کوئی آسماں پر نہ مٹی اُچھالے

خسر ہو کہ ہو ساس انساں نہیں ہیں
بہو کو جلاکر اگر مار ڈالے

مجھے دیکھو میں ہی ہوں شاہد عدیلی
کتابوں میں کیوں ڈھونڈتے ہو حوالے



وہ میہماں جو زیادہ قیام کرتے ہیں
ہم اُن کا دال ہی سے اہتمام کرتے ہیں

کریں جو فحش کلامی خود اپنی بیگم سے
یقین ہے کہ وہ پولس میں کام کرتے ہیں

بڑے سکون سے سوتا ہوں پاؤں پھیلا کر
وہ اپنے میکے میں جب بھی قیام کرتے ہیں

مشاعروں میں اُنھیں ہی بلایا جاتا ہے
جو منتظم کو ادب سے سلام کرتے ہیں

ہم اپنے بھائی کو بھی رکھ سکے نہ قابو میں
وہ لوگ بھی ہیں جو راون کو رام کرتے ہیں

نقاب منہہ پہ نہیں ہے بدن ہے برقعے میں
نئی طرح سے وہ جلوے کو عام کرتے ہیں

ہیں لیڈروں سے تو شاہد گدھے بہت اچھے
جو کم سے کم کسی دھوبی کا کام کرتے ہیں





جو رقم مجھ کو عطا جوڑے کی فرمائی ہے
اُس میں ممکن تو فقط سوٹ کی سلوائی ہے

اک ذرا سی جو پڑوسن سے شناسائی ہے
میرے گھیراؤ کی لوگوں نے قسم کھائی ہے

اب کہاں شعر میں وہ غالبؔ و اقبالؔ کا رنگ
یاتو تک بندی ہے یا قافیہ پیمائی ہے

یا رقم لائے گی یا میکے میں رہ جائے گی
اہلیہ کو وہاں بھجوانے میں دانائی ہے

فلمی گانوں کا نہیں لُبِّ لباب اس کے سوا
میرا بالم میرا مجنوں بڑا ہرجائی ہے

اُس کو پیچش کی دوا تک ابھی معلوم نہیں
اور پھر معتقدِ بو علی سینائی ہے

مونگ کی دال میں سُرمے کو ملا کے کھاؤ
آزمایا ہوا یہ نسخہ بینائی ہے

چور نے جج سے کہا آپ ہی انصاف کریں
کیسے چھوڑوں یہ میرا پیشہ آبائی ہے

قبر میں پاؤں وہ لٹکائے ہوئے بیٹھے ہیں
اور چہرے پہ ابھی تک وہی چکنائی ہے





حیات انساں کا مٹی سے رشتہ توڑ دیتی ہے
قضا مٹی سے پھر مٹی کو اک دن جوڑ دیتی ہے

جلوسوں میں چھپی رہتی ہے ٹولی ایک ایسی بھی
کہیں کچھ توڑ دیتی ہے کہیں کچھ پھوڑ دیتی ہے

جو غنڈے پیشہ ور ہیں اُن کو پولس گر پکڑ بھی لے
گواہوں کے بیانوں پر عدالت چھوڑ دیتی ہے

قسم ہر صبح کو کھاتا ہوں میں تو مئے نہ پینے کی
مگر ہر شام آتے ہی قسم کو توڑ دیتی ہے

میں خود سے تو کبھی جاتا نہیں ہوں کوئے جاناں میں
ہوا اپنے پریشر سے مرا رُخ موڑ دیتی ہے

کسی سے جب میں اپنے عشق کا اظہار کرتا ہوں
وہ 'انکل' کہہ کے مجھ کو، میرے دل کو توڑ دیتی ہے

دکھائی تک نہیں دیتی ہے موت اتنی سبک لیکن
پہلواں سے پہلواں کا بھی پنجہ موڑ دیتی ہے

گنہ گاروں کو محشر میں ملے گی کیا سزا شاہدؔ
یہیں جب قبر ان کی ہڈیاں تک توڑ دیتی ہے





جنابِ شیخ کا اصلی تو یہ شباب نہیں
قسم وہ کھا کے کہیں سر میں گر خضاب نہیں

مرا خلوص ہے برتن جو خود ہی دھوتا ہوں
یقین کیجئے بیگم کا رعب داب نہیں

بہشت و حور تصور میں ہیں تو رہنے دو
عذاب بھی نہیں اس میں اگر ثواب نہیں

ہوا ہے رنگ یہ چوکھا سیاہ کاری سے
کچھ اس میں دخل دواؤں کا اے جناب نہیں

جوان سالیاں کیوں مارتی ہیں پھولوں سے
نکاح نامے میں ایسا تو کوئی باب نہیں

جناب شیخ نہیں خلد کوئی مئے خانہ
فقط ہے بادۂ کوثر وہاں کباب نہیں

انگوٹھا چھاپ منسٹر بنے ہیں اے شاؔہد
پڑھے لکھے جو ہیں اُن کے لیئے ہی جاب نہیں





اچھی گھڑی بھی اچھی گذاری نہ جا سکی
والد تھے اُن کے ساتھ تو مئے پی نہ جا سکی

اس واسطے میں بات نہ آگے بڑھا سکا
میکپ میں اصلی شکل ہی دیکھی نہ جا سکی

میں نے سنائی نظم وہ جو تھی بہت جدید
اس واسطے کسی سے بھی سمجھی نہ جا سکی

ہندوستاں نے اگنی مزائل بنالیا
یہ بات الگ ہے بیل کی بنڈی نہ جا سکی

موٹے ہوئے کچھ ایسے وہ دوچار ماہ میں
اُن کی کن اُنگلی میں بھی انگوٹھی نہ جا سکی

بولی گرا کے دوست نے ٹنڈر چھُڑا لیا
بولی مری بڑھی ہوئی دیکھی نہ جا سکی

شاہدؔ پکڑ سکے گا وہ کیا خاک شیر کو
مرغی جب اک پڑوس کی پکڑی نہ جا سکی





مرے والد منسٹر ہیں مرے گھر کی حکومت ہے
کسے دیتے ہو تم دھمکی تمھاری کیا حقیقت ہے

کرے چمچہ گری کوئی تو اس میں کیا قباحت ہے
اُسی کی آج یا حضرت زمانے کو ضرورت ہے

پڑوسی کی جو مرغی تھی وہ ہم نے اُس کو لوٹادی
ہماری یہ شرافت ہے ہماری یہ شرافت ہے

کسی کو لُوٹنا ہوتو ملالو پہلے پولس کو
گرفتاری سے بچنے کی یہی آسان صورت ہے

مجھے انسان سے یارب بنادے ریس کا گھوڑا
جب اک انسان سے بڑھ کر یہاں گھوڑے کی قیمت ہے

ہنرمندی ہے یہ میری کسی کو شک نہیں مجھ پر
مرے ساتھی سمجھتے ہیں مجھے رشوت سے نفرت ہے

نہ دو طعنہ مجھے بیگم پڑوسن کی کسی شئے کا
ہے شوہر بنک میں اُس کا جہاں دولت ہی دولت ہے

وہ لیڈر پیٹ میں جس کے الف سیدھا نہیں شاہدؔ
مگر اُس کے مقدر میں ریاست کی وزارت ہے





روز کھانے میں دال ہے باشاہ
شاعری کا کمال ہے باشاہ

پاس جس کے بھی مال ہے باشاہ
وہ پریشان حال ہے باشاہ

شہر میں آدمی بھی ارزاں ہے
صرف پانی کا کال ہے باشاہ

کیا طمانچہ تھا اُن کے والد کا
گال اب تک بھی لال ہے باشاہ

چوتھی بیگم کے ناز نخروں سے
اب تو جینا محال ہے باشاہ

دل میں کچھ ہے زبان پر کچھ ہے
یہ سیاست کی چال ہے باشاہ

ہے مرا کاروبار جنگل کا
یعنی لکڑی کی ٹال ہے باشاہ

گھوڑے جوڑے کی اہمیت تو نہیں
ہاں مگر اک سوال ہے باشاہ

کوئی اچھا بُرا نہیں شاؔہد
اپنا اپنا خیال ہے باشاہ





شاعری میں ہو گر مبتلا آدمی
کام سے پھر سمجھ لو گیا آدمی

رنگ تبدیل کرنے لگا آدمی
گرگٹوں کی طرح ہوگیا آدمی

لیڈری جب سے کرنے لگا آدمی
آدمی وہ کہاں پھر رہا آدمی

آج کل کی غذا کا اثر دیکھئے
کس قدر ہوگیا پلپلا آدمی

جس قدر بھی گھٹالے کرے گا کوئی
اُس قدر وہ بنے گا بڑا آدمی

زن ، زمیں اور زر کے لیئے دیکھئے
آدمی ہی کے ہاتھوں مرا آدمی

سیدھے منہہ بات کوئی بھی کرتا نہیں
چڑچڑا ہوگیا آج کا آدمی

آدمی اُلو بنتے ہوئے آئے ہیں
کوئی اُلو نہ کیوں بن سکا آدمی

لوگ شاؔہد سے مل کر یہ کہنے لگے
شکل سے لگ رہا ہے بھلا آدمی





وقت سے پہلے جو دُنیا میں صدا دیتا ہے
زچگی خانے کے درو بام ہلا دیتا ہے

کیا ہے نقصان بھلا اُس کی غزل سننے میں
اک کباب اور اک لقمی تو کھلا دیتا ہے

چاکنہ چاکنے واڑی میں مزے دار سہی
بن میں سیندھی کے وہ کچھ اور مزا دیتا ہے

کام ہی کونسا کرتا ہے کسی کا چمچہ
صرف آواز میں آواز مِلا دیتا ہے

وہ جو شطرنج سے واقف ہیں سمجھ سکتے ہیں
شاہ کو ایک پیادہ بھی ہرا دیتا ہے

میل دل کا نہ گیا اُن سے گلے مل کر بھی
ذہن اندر کی گراوٹ کا پتہ دیتا ہے

شعر لکھتا ہے کوئی اور تو لکھے شاہدؔ
نام سے اپنے کوئی اور چھپا دیتا ہے





دریچہ اپنے دہن کا نہ کوئی باز کرے
عیاں نہ پوپلے ہونے کا خود ہی راز کرے

جسیم ہی نہیں قد میں بھی سب سے اُونچا ہے
گھمنڈ اپنے ہی بیضے پہ کیوں نہ قاز کرے

بس ایک چیونٹی کے گھستے ہی موت آئے گی
طویل سونڈ پہ ہاتھی نہ اتنا ناز کرے

مشاعروں میں اُسی کو بلائے گا ناظم
جو اس کے آگے زرا خم سر نیاز کرے

زمیں میں گاڑ ہی دوں گا اسے کھڑے قد سے
مرے خلاف مخالف نہ ساز باز کرے

اکڑ یہ کیوں ہے کمائی پہ باپ دادا کی
کمائے خود تو وہ جتنا بھی چاہے ناز کرے

پسیج جائے اگر وہ ہمارے اشکوں سے
ہزار ناز کرشمے پہ اپنے پیاز کرے

ہے گل بدن میں جو انداز ہے وہ گل خاں میں
پھر اُس کی جنس میں کیا کوئی امتیاز کرے

اُبھرنے پائے گی شاہد نہ وہ سمندر سے
لحاظ و پاس نہ گر ساس کا جہاز کرے





آیا ہے کیسا وقت یہ ہندوستان پر
"ٹاڈا" لگادیا گیا ہر نوجوان پر

پانی بھی ساتھ لائیں یہ رقعے میں درج ہے
پانی کی ذمہ داری نہیں میزبان پر

سرمائے کے بغیر بھی چلتے ہیں کاروبار
ہے بھیڑ پھونک جھاڑ کی ہراک دُکان پر

جب لڑکیوں کو تکتے ہیں بوڑھے بھی گھور کر
اُنگلی اُٹھائی جاتی ہے کیوں نوجوان پر

ہیں ایسے ویسے دوسرے کاموں کے واسطے
پہرے کے واسطے وہ مُصر ہے پٹھان پر

نانی کو نانا لے کے گئے بیوٹی پارلر
روغن چڑھانے اپنے شکستہ مکان پر





نام ایسا چڑھ گیا مرا اُن کی زبان پر
تختی ہے میرے نام کی اُن کے مکان پر

شکوہ ہی کیا ہے نان ملے گر جلی ہوئی
پکوان پھیکے ہوتے ہیں اونچی دکان پر

اُردو اساتذہ ہیں خود اُردو سے نابلد
کیسی خدا کی مار ہے اُردو زبان پر

خود ساختہ کچھ ایسے بھی مرشد ہیں آج کل
ایمان کے سوا ہے سب اُن کی دکان پر

ٹی وی پہ انڈیا کے یہ ہم نے سنی خبر
بھارت نے حملہ کردیا ہندوستان پر

اُمید جس سے مرغ مسلّم کی تھی مجھے
ٹرخا دیا ہے اُس نے فقط چائے پان پر

آتشزنی کا شک کوئی مجھ پر کرے گا کیوں
"پانی چھڑک رہا ہوں میں جلتے مکان پر"

دُنیا مری نظر میں ہے فٹبال کی طرح
چنگھاڑتا ہے بونا یہ چڑھ کر چٹان پر

ہم آگئے لڑھک کے زمیں پر بہشت سے
شاہد ٹکے نہ پاؤں ہمارے ڈھلان پر

۞



مائناریٹی میں رہنے کا یہی انجام ہے
چاند پاشا ہے اَنڈر اور کلکٹر رام ہے

ہے یہ بینائی کا عالم دیکھ کر تربوز کو
پوچھتے ہیں وہ کہو اس سیب کا کیا دام ہے

مانگنے پر عید کا انعام وہ کہنے لگے
"دولتِ اخلاص و الفت عید کا انعام ہے"

میکدے سے فون پر واعظ نے بیگم سے کہا
دیر سے گھر آؤں گا میں اک ضروری کام ہے

تین سو پینسٹھ دنوں میں تیس روزے ہی تو ہیں
تین سو پینتیس دن آرام ہی آرام ہے

مرغ و بریانی سے بھی کیجے تواضع عید کی
شیر خرمے کا چلن تو ہر جگہ ہی عام ہے





سیٹھ صاحب سود خوری کا ہی یہ انجام ہے
پیٹ ایسے بڑھ گیا جیسے کوئی گودام ہے

پڑ گیا تھا فکر میں بیگم کو کھاتے دیکھ کر
شکر ہے اللہ کا وہ کیری نہیں ہے جام ہے

فاعلاتن فاعلاتن کون سیکھے گا میاں
گنگنا کر شعر کہہ لینا ہی آساں کام ہے

لفظ سالے کا بھی ذو معنی ہے کتنا دیکھیئے
ایک تو بیوی کا بھائی دوسرے دُشنام ہے

میکدے میں دیکھ کر واعظ کو ساقی نے کہا
آپ آئے ہیں یہاں کیوں آپ کا کیا کام ہے

تھی خطا گندم کی خود یہ تو کوئی کہتا نہیں
کھانے والا اس کو شاہد مفت میں بدنام ہے



○

خوش نصیبی سے مری سسرال میں جھگڑے نہیں
ساس ہے لے دے کے اک سالے نہیں سسرے نہیں

جب ڈنر پر ساتھ ہوتے ہیں ضعیف و نوجواں
نوجواں تھک جاتے ہیں بوڑھے مگر تھکتے نہیں

قوتِ برداشت اُن کی قابل تعریف ہے
شاعروں کے درمیاں رہ کر بھی جو بہکے نہیں

چیمپئن ہیں میرے سسرے عالمی پیراک ہیں
دو مہینے ہوگئے ساحل پہ وہ لوٹے نہیں

خیر گذری میکدے سے گرتے پڑتے آگئے
ذات بھائی جان کر کتّے ہمیں بھونکے نہیں

آنے والے سب ہی مسجد میں نہیں ہیں مشتبہ
آنکھ اُن پر رکھو جن کے پاؤں میں جوتے نہیں

اُس گدا سے بھی گئے گذرے ہیں ایسے اہل زر
جو گدا کو اک نوالہ بھی کھلا سکتے نہیں

مرغ کی بریانی کھاکر مجھ سے میرے یار دوست
داد دینے آئے محفل میں مگر دیتے نہیں

بات لاکھوں کی وہ کرتے ہیں خدا کی شان ہے
جیب میں شاہد عدیلی جن کے دو پیسے نہیں

❀



میکے جانے کی اجازت تو سدا رہتی ہے
لوٹ کر آئے نہ وہ یہ بھی دُعا رہتی ہے

جو بڑھاپے میں نیا عقد کیا کرتے ہیں
اُن کی مٹھی میں جوانی کی دوا رہتی ہے

دیکھ کر آج لباسوں میں بدن کو عریاں
منہہ چھپائی ہوئی کونوں میں حیا رہتی ہے

ادباً حادثے خود راہ سے ہٹ جاتے ہیں
جب سے ہمراہ مری ماں کی دُعا رہتی ہے

اک ذرا دیر جو گھر آنے میں ہوتی ہے کبھی
گھر میں گھستے ہی قیامت سی بپا رہتی ہے

مجھ کو منظور دل و جاں سے ہے گھر دامادی
فکر اس کی نہیں عزت مری کیا رہتی ہے

کوئی غربت کی طرح مونس و ہمدرد نہیں
ساتھ انساں کے خوشی سے جو سدا رہتی ہے

خیر مقدم جو وزیروں کا کیا کرتے ہیں
وہ نہیں دیکھتے کب تک یہ ہوا رہتی ہے

کھائیں نزلے کے لیئے گر تو ہو پیچش شاؔہد
ایسی کچھ نیم حکیموں کی دوا رہتی ہے





مشاعرے میں اُسی کی غزل چلی ہوگی
کہ جس نے دام میں اُس کے کمی نہ کی ہوگی

وہ لڑکھڑانے لگا بھوک سے سنا کے غزل
تو لوگ سمجھے کہ حد سے زیادہ پی ہوگی

مفاعلن فعلاتن کا ورد کرتے ہیں
عروض داں سے ملاقات ہوگئی ہوگی

غزل سنانے کا انداز خوب ہے لیکن
ثبوت کیا ہے غزل آپ نے کہی ہوگی

کبھی نہ حشر میں ہم خالی ہاتھ جائیں گے
ہمارے ساتھ گناہوں کی پوٹلی ہوگی

یہیں سے کرتے چلیں مشق کیوں نہ اے شاہدؔ
سنا ہے خلد بریں میں بھی مئے کشی ہوگی





تھا وہ ٹیلے پر اکیلا دوسرا تھا ہی نہیں
اور وہ سمجھا کوئی اُس سے بڑا تھا ہی نہیں

آج جلسے ہو رہے ہیں تعزیت کے ہر طرف
جیتے جی پرساں کوئی اُس شخص کا تھا ہی نہیں

نسبتاً آسان بھی تھا اور شہرت بھی ملی
دوسرا فن شعر گوئی کے سوا تھا ہی نہیں

رات اُس گھر میں میاں بیوی کا جھگڑا تھا مگر
جو میاں تھا سن رہا تھا بولتا تھا ہی نہیں

نوکری پانے کو میں لیڈر کا چمچہ بن گیا
اس سے ہٹ کر اور کوئی راستہ تھا ہی نہیں

ہوں پریشاں کر کے دولت مند بیوہ سے نکاح
مار یہ کیسی ہے اس کا تجربہ تھا ہی نہیں

شیخ کو نو عمر بیوی نے کیا شاہدؔ خراب
سیدھا سادھا آدمی تھا سر پھرا تھا ہی نہیں





سب میاں کہتے تھے جب تھا میں میاں خاں کے قریب
اب میں پٹھا ہوں کہ رہتا ہوں پہلواں کے قریب

نام کے آگے بیابانی لگانا ہی پڑا
جب سے گھر میں نے بنایا ہے بیاباں کے قریب

اُس سے جھگڑا نہ کرے گا کسی انساں کی طرح
ایک شیطاں ہو اگر دوسرے شیطاں کے قریب

کیا خبر باندھ لے پلّو سے وہ پلّو اپنا
آپ پھٹکیں نہ کسی چاک گریباں کے قریب

کیا ستم ہے کہ وہ کہتے ہیں "مری جاں" نہ کہو
اور رہتے ہیں شب و روز مری جاں کے قریب

بڑھ کے انسانوں سے، انساں سے وہ گھلا مل سا گیا
کوئی حیوان ہوا جب کسی انساں کے قریب

شیخ مسجد سے زیادہ نظر آیا شاہد
یا تو میخانے میں یا کوچۂ جاناں کے قریب





بڑی ہیں عمر میں اُن سے نبھائیں گے کب تک
"خزاں کے ناز ہم آخر اُٹھائیں گے کب تک"

تمام بال وہ منڈھوا کے سر کے کہتے ہیں
بہت شریر تھے سر پہ بٹھائیں گے کب تک

کہیں نہ ٹوٹ کے رہ جائیں اُنگلیاں اُن کی
وہ انگلیوں پہ ہراک کو نچائیں گے کب تک

رواج آج مزائل کا ہے بموں کا ہے
جو مرغ باز ہیں مرغے لڑائیں گے کب تک

اب اُن کا واعظ ہے بغدادی قاعدے کی طرح
ہمیں یہ قاعدہ واعظ پڑھائیں گے کب تک

کہیں ہمارا نہ ہوجائے ہاضمہ چوپٹ
ہم اپنا کھاتے ہوئے اُن کی گائیں گے کب تک

اک آدھ شعر تو خود سے بھی کیجئے موزوں
اساتذہ کا ہی چربہ اُڑائیں گے کب تک

تم انتظار کرو جاکے رہروانِ عدم
یقیں سے کہہ نہیں سکتے ہم آئیں گے کب تک

نہیں ہے سُر میں جب آواز اُن کی اے شاہد
"لتا" کی نقل میں گانے وہ گائیں گے کب تک

نظمیں

دونوں جنتی

ایک صاحب تھے بڑے ہی خوبرو
اتفاقاً اہلیہ بدشکل تھیں
اہلیہ سے ایک دن کہنے لگے
جانتی ہو ہم ہیں دونوں جنتی!
اہلیہ نے ان سے پوچھا کس طرح!؟
مسکرائے اور پھر کہنے لگے
بات سیدھی سی ہے یعنی اس طرح
شکر تم کرتی ہو مجھ کو دیکھ کر
صبر میں کرتا ہوں تم کو دیکھ کر
اس لیئے اللہ کا فرمان ہے
صابر و شاکر ہیں دونوں جنتی



شادی نامہ

کیا زندگی تھی وہ بھی جب تک تھا میں کنوارا
کھاتا تھا ہوٹلوں میں کلبوں میں تھا گذارا
ہر لمحہ دیکھتا تھا میں اک نیا نظارا
شادی ہوئی ہے جب سے برباد ہو گیا ہوں

دن رات دوستوں کے ہمراہ گھومتا تھا
ہنستا تھا کھیلتا تھا فلمیں بھی دیکھتا تھا
اب غور کر رہا ہوں شادی سے پہلے کیا تھا
شادی ہوئی ہے جب سے برباد ہو گیا ہوں

ایمان سے کہو تم ایماندار یارو
کل تک تھی میری صحت کیا شاندار یارو
کل تک تھی میری باڈی کیا جاندار یارو
شادی ہوئی ہے جب سے برباد ہو گیا ہوں

اک ہاتھ میں ہے شیشی اک ہاتھ میں ہے تھیلی
کُرتا پھٹا ہوا ہے لنگی ہے میلی میلی
گرنے کو ہے زمیں پہ جیسے کوئی حویلی
شادی ہوئی ہے جب سے برباد ہو گیا ہوں

قصہ یہ مختصر ہے رکشا چلا رہا ہوں
شادی ہوئی ہے جب سے برباد ہو گیا ہوں

"شکوہ" "جوابِ شکوہ"

(روحِ اقبال سے معذرت کے ساتھ)

"شکوہ"

کہا بیوی نے ہیں اس شہر میں ایسے بھی اکثر لوگ
پھرا کرتے ہیں جو بیوی کو اپنے ساتھ لے کر لوگ

کھلاتے ہیں جو اچھے ہوٹلوں میں مرغ و بریانی
پھر اس کے بعد بیوی کو دکھاتے بھی ہیں پکچر لوگ

مگر ہو ایک تم مجھ کو کہیں لے کر نہیں جاتے
تمھارے اس عمل پر تھوکنے والے ہیں تم پر لوگ

"جوابِ شکوہ"

کہا میں نے کہ اے بیوی ترا شکوہ بجا لیکن
تجھے کیا ہے پتہ کستے ہیں فقرے کیسے ہم پر لوگ

کھڑا تھا جب میں تیرے ساتھ عابد روڈ پر اک دن
تو ہم کو دیکھ کر تھے کس قدر حیران اکثر لوگ
کوئی کچھ کہتے گذرا تھا کوئی کچھ کہتے گذرا تھا
لگا سکتے ہیں تالا کس طرح اپنی زباں پر لوگ
کہا اک منچلے نے کیوں "بڑی بی" کو یہاں لائے
رہا کرتے ہیں اب اس عمر میں تو اپنے گھر پر لوگ

زندگی کی جیومٹری

زندگی کے پیپر پر
دل کو مان کر مرکز
چار سنٹی میٹر کا
ایک خط جو کھینچا تھا
پیار نام رکھا تھا
اے A اور بی B تھے ہم دونوں
پھر اچانک اس خط پر
سی C، ڈی D کا ہوا حملہ
یہ تمھارے والد تھے



وفاداری بہ شرطِ استواری اصلِ ایماں ہے

کہا بیوی نے شوہر سے ذرا یہ تو بتاؤ جی
اگر میں تم سے پہلے مر گئی تو کیا کرو گے تم۔؟
تو شوہر نے کہا بیگم
یہ کیسی باتیں کرتی ہو!!
خدانخواستہ مر جاؤ گی مجھ سے اگر پہلے
یہ صدمہ سہہ نہیں پاؤں گا
میں ہو جاؤں گا پاگل
نہ کر لو گے مرے پیارے کہیں تم دوسری شادی۔!؟
نہیں بیگم نہیں بیگم نہیں بیگم نہیں بیگم
میں پاگل ہو تو جاؤں گا
مگر اتنا۔!؟
نہیں بیگم
بہت اچھا ہوا پہنچی نہ میری بات کی تہہ تک
کہا پھر سادہ لوحی سے بڑے مسرور لہجے میں
جو ایسا ہے تو سچ ہے قولِ غالبؔ کا
وفاداری بہ شرطِ استواری اصلِ ایماں ہے



انگوٹھی میں اُنگلی

مٹک کر ایک لڑکی دوسری لڑکی سے کہتی ہے
انگوٹھی میں نے یہ جو اپنی کن اُنگلی میں پہنی ہے

مجھے تحفے میں دی ہے
پیار سے میرے منگیتر نے

یہ سن کر دوسری لڑکی نے حیرت سے کہا اُس سے
چلو اچھا ہوا پیاری کن اُنگلی میں تو آئی ہے
یہی ہے وہ کہ جو میرے انگوٹھے میں نہیں آئی

مگر ہاں پوچھ لینا اس کی قیمت بھی ذرا اُن سے
سلیمہ کی انگوٹھی اس سے کم قیمت کی ہے شاید۔؟



چالاک

قیدی نے ایک دوسرے قیدی سے جیل میں
پوچھا کہ تم کو ہو گئی کس جرم میں سزا ۔ ؟
کہنے لگا کہ بھائی
کوئی جرم ہی نہیں
ضد چل رہی تھی میری حکومت سے اصل میں
وہ یہ نہ چاہتی تھی کہ میں اُس کی ہی طرح
سو سو کے نوٹ چھاپوں
خود اپنی مشین پر



اسٹار دھماکہ

قاضی نے عمر پوچھی جو دُلھن کے باپ سے
شرمندگی سے باپ نے سر کو جھکا لیا
کہنے لگا حضور کہ اب کیا بتاؤں میں
شرم آرہی ہے اب مجھے خود اپنے آپ سے
بائیس ہے نہ بیس ہے بس گیارہ سال ہے
قاضی نے عمر سنتے ہی حیرت سے پھر کہا
بس گیارہ سال ہے، یہ تو کمال ہے۔!
حیرت ہے گیارہ سال کی چھوٹی سی عمر میں
بالغ ہوئی یہ کس طرح کچھ تو بتایئے
قاضی کے اس سوال پہ والد نے پھر کہا
میرا قصور میں نے ہی اس کو بڑا کیا
پھل پیڑ پر جو پکنے تھے بھٹّی میں پک گئے
اسٹار ٹی وی دیکھ کے بچے بھٹک گئے



عید پر

جب کچھ فقیر مانگنے آتے ہیں عید پر
ہم اپنے شعر اُن کو سناتے ہیں عید پر

بریانی کیوں نہ جانے کھلاتا نہیں کوئی
سب لوگ شیر خرما پلاتے ہیں عید پر

بغض و عناد بھول کے دل صاف کیجئے
دشمن کو بھی گلے سے لگاتے ہیں عید پر

افسوس روزہ داروں سے بڑھ کر کبھی کبھی
بے روزہ دار خوشیاں مناتے ہیں عید پر

کچھ لوگ عید گاہ میں آتے ہیں اس لیئے
جوتے مصلیوں کے چراتے ہیں عید پر

روزانہ تم نہاؤ اگر شوق ہے تمھیں
شاعر ہیں ہم تو صرف نہاتے ہیں عید پر

عیدی سخنوروں سے نہ مانگے کبھی کوئی
عیدی کے بدلے غزلیں سناتے ہیں عید پر

شاہدؔ پھٹکتے ہی نہیں سسرال سال بھر
لینے سلامی یاد سے جاتے ہیں عید پر

سالِ نو

سالِ گذشتہ نے تو ہمیں کچھ نہیں دیا
مہنگائیوں کا پڑھتے رہے لوگ مرثیا
گڑبڑ گھٹالے اور حوالے ملے بہت
ہر ایک سمت شور شرابے ملے بہت
اے سالِ نو خدا کے لیئے اب کے رحم کر
ہر وقت ہم پہ ڈال محبت بھری نظر
کوئی بھی شئے میں اب کے ملاوٹ نہ ہو کہیں
کوئی بھی شئے پہ جھوٹی سجاوٹ نہ ہو کہیں
خوش حال کر دے سب کو تو غربت کو چھین لے
دل سے ہر آدمی کے تُو نفرت کو چھین لے
گربڑ گھٹالے اور حوالے نہ ہوں کہیں
خوشیاں ہماری لوٹنے والے نہ ہوں کہیں
اے سالِ نو خوشی کو تو جھولی میں ڈال دے
ہر آدمی کا اب کے مقدر اُجال دے

قطعات



کر نہ مذہب کی بات اے جانی
ہے الگ شیوۂ مسلمانی
میرے در پر کھڑا تھا اک بکرا
میں نے دے دی اُسی کی قربانی



جب غرارے دکھائی دیتے ہیں
کیا نظارے دکھائی دیتے ہیں
دیکھنے کا اگر سلیقہ ہو
دن میں تارے دکھائی دیتے ہیں



پہلوانوں کا وہ معیار لاؤ
اگر تم لاسکو تو یار لاؤ
جو کُتّا شیر ہے اپنی گلی میں
ذرا اُس کو گلی کے پار لاؤ

○

عجب شہر ہے یہ عجب زندگی
یہاں ہیں مرے دوست بھی اجنبی
ملے کیسے لوٹا ہوا مال اُسے
ہو پولس کی جب چور سے دوستی

○

آنکھ میں آنکھ ڈال کر دیکھو
تاکہ دل کو سکون حاصل ہو
ہے اُچٹتی نگاہ تو ایسی
پیٹھ پر جیسے اُونٹ کی تِل ہو

○

میں نے غزل سنائی ترنم کے ساتھ جب
محفل کے سارے لوگ ہی مدہوش ہوگئے
شاہدؔ ابھی میں ختم ہی کرنے کو تھا غزل
آدھے تو اُٹھ کے چل دیئے باقی کے سوگئے



جان جوکھم میں پڑگئی یارو
شیرنی کا شکار کر بیٹھے
مال و دولت کے واسطے شاہد
ایک بیوہ سے پیار کر بیٹھے



غربت غریب باپ کی دیکھی نہ جاسکی
انسانیت کی چیخ بھی روکی نہ جاسکی
ٹی وی کی اک کمی تھی بس اُس کے جہیز میں
بیٹی کی گھر سے اس لیئے ڈولی نہ جاسکی



تھوڑا سا وقت گھر میں بھی اپنا بتایئے
تہذیب اپنے لڑکے کو کچھ تو سکھایئے
انساں اُسے بنانے کی کوشش تو کیجئے
انساں نہ بننے پائے تو لیڈر بنایئے



لگاتے ہیں جو آگ حالات میں
بن آتی ہے اُن کی فسادات میں
پرُامن شہری تو رہتے ہیں بند
کھلے پھرتے ہیں غُنڈے دن رات میں

